اسلام
میں
عورت کا مقام

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

بار اوّل

رجب المرجب ۱۴۰۴ھ بمطابق اپریل ۱۹۸۴ء
تعداد ۴۰۰۰

بار دوم

رجب المرجب ۱۴۰۶ھ مطابق مارچ ۱۹۸۶ء
تعداد : ۳۳۰۰
مطبع : مکتبہ جدید، شارع فاطمہ جناح لاہور
ناشر : اقتدار احمد
ناظم مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مقام اشاعت

۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۔ فون نمبر : ۸۵۲۶۱۱

ملنے کے پتے

۶۷۔ اے ۔ علامہ اقبال روڈ ۔ گڑھی شاہو ۔ لاہور

کراچی آفس

داؤد منزل (پہلی منزل) نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی ۱ فون ۲۱۶۵۸۶

قیمت : -/۵ روپے

الرِّجَالُ قَوّٰمُونَ عَلَى النِّسَاءِ

اسلام

میں

عورت کا مقام

صدرِ مؤسس مرکزی انجمن خُدّام القرآن

اور

امیرِ تنظیمِ اسلامی، کا

ایک اہم خطاب

روزنامہ جنگ لاہور، کراچی، راولپنڈی، کوئٹہ کے جمعہ میگزین (۱۲ تا ۱۸ مارچ ۸۲ء) میں جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کا ایک انٹرویو شائع ہوا تھا جس میں خواتین سے متعلق بھی چند ضمنی سوالات کے جواب میں موصوف نے اسلام کی تعلیمات کیمطابق اپنا فکر اور نظریہ بیان کیا تھا۔ تیز رفتاری سے یکے بعد دیگرے سوالات کی صورت میں دلائل پیش کرنے کا موقع ہی نہیں تھا۔ انٹرویو کے اس حصے پر ملک بھر میں "روشن خیال" خواتین و حضرات کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کے خلاف مضامین، مراسلات، بیانات اور تقاریر کا ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ حتیٰ کہ کراچی ٹیلیویژن اسٹیشن پر خوش حال اور اعلیٰ مناصب پہ فائز حضرات کی خواتین نے ٹی وی کے پروگرام "الھدیٰ" کو بند کرنے کے مطالبے کے لئے مظاہرہ کیا۔ جس کی خبریں اخبارات میں نمایاں کر کے شائع کی گئیں۔ اس پس منظر میں ڈاکٹر صاحب نے ۲۳ مارچ کو مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے سالانہ اجلاس کے موقع پر اور ۲۶ مارچ کو مسجد دار السلام لاہور کے خطاب جمعہ میں مندرجہ بالا موضوع پر تقاریر کیں ـــــ جمعہ کے اس اجتماع میں لاہور کے علاوہ پنجاب کے دوسرے شہروں سے بھی بہت سے حضرات نے شرکت فرمائی۔ حاضری کا یہ عالم تھا کہ اس مسجد میں عیدین کے جو اجتماعات ہوتے رہے ہیں ان سے بھی متجاوز تھی۔ ان دو خطابات کو ٹیپ سے منتقل کر کے معمولی حک و اضافے اور ضمنی عنوانات کیساتھ پہلے "میثاق" مئی ۸۲ء کے شمارے میں پیش کیا گیا اور اب اسے کتاب کی صورت میں افادۂ عام کے لئے شائع کیا جا رہا ہے۔ آخر میں اس عاجزہ کی ایک تحریر اور روزنامہ جنگ کے انٹرویو میں پردے سے متعلق سوالات و جوابات نیز علامہ اقبال کے وہ اشعار بھی شامل ہیں جو مرحوم نے مسلم خواتین کی تعلیم و تفہیم کے لئے کہے تھے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو حسن نیت، حسن عمل اور اپنے دین کا صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین!

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى خُصُوْصًا عَلٰى اَفْضَلِهِمْ وَخَاتَمِ النَّبِيِّيْنَ مُحَمَّدِ الْاَمِيْنِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ۔ اما بعد فَقَالَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى فِىْ سُوْرَةِ الْاَحْزَابِ،

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ط

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ط ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ط وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (آیت ۵۹)

حضرات! اخبارات کے اعلانات سے آپ کے علم میں آگیا ہو گا کہ مجھے آج کے اس اجتماعِ جمعہ میں "اسلام میں خواتین کا مقام" کے موضوع پر گفتگو کرنی ہے۔ اس کا سبب بھی آپ کو معلوم ہو گا کہ اس مسئلے سے متعلق میرے نظریات و افکار پر جو درحقیقت قرآن و سنّت سے ماخوذ ہیں اخبارات میں بحث وتمحیص اور بیانات و مراسلات کا ایک سلسلہ چل نکلا ہے اور اچھی خاصی ایک ہلچل سی پیدا ہو گئی ہے۔ اس موضوع پر اظہارِ خیال سے قبل میں چاہوں گا کہ یہ عرض کر دوں کہ یہ بات شروع کیسے ہوئی۔ اس ضمن میں پہلے مجھے چند وضاحتیں پیش کرنی ہیں۔

وضاحتیں

پہلی وضاحت یہ ہے کہ میری آراء سے متعلق جو لفظ "بیان" منسوب کیا گیا ہے تو یہ درست نہیں ہے۔ میں نے اس مسئلہ پر نہ کوئی اخباری بیان دیا ہے نہ ہی خاص اس موضوع پر کوئی تقریر کی ہے کہ تمام سرکاری ملازم خواتین کو فوراً پنشن دے کر گھروں میں بند کر دیا جائے اور نہ ہی خاص اس مسئلہ پر کوئی انٹرویو دیا ہے۔ اگرچہ اسی مسجد دارالسلام میں خطباتِ جمعہ میں "اسلام کے معاشرتی نظام" کے ذیل میں 'اسلام میں عورت کا کیا مقام ہے' کے موضوع پر میں گفتگو کر چکا ہوں۔ لیکن یہ آج سے تقریباً تین چار ماہ قبل کی بات ہے۔ ——— اخبارات میں اس موضوع کے زیرِ بحث آنے کا سبب میرے وہ چند جملے بنے ہیں جو روزنامہ جنگ لاہور میں میرے ایک انٹرویو میں شامل ہیں جو تقریباً دو ماہ قبل لیا گیا تھا اور واقعہ یہ ہے کہ اس کو صحیح طور پر انٹرویو بھی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ نجی گفتگو اور انٹرویو کے بین بین کی چیز تھی۔ ہوا یہ تھا کہ روزنامہ جنگ سے جناب ارشاد احمد صاحب حقانی نے مجھ سے ملاقات کا وقت مانگا۔ ان کا ۱۹۵۰ء کے وسط تک جماعت اسلامی سے رکنیت کا تعلق رہ چکا ہے اور میری ان سے پرانی راہ و رسم رہ چکی تھی۔ میں نے رضامندی ظاہر کر دی تا کہ مراسم کی تجدید ہو جائے۔ ان کی آمد میرے لیے بڑی خوش آئند بات تھی۔ مجھے اس بات کا قطعاً اندازہ نہیں تھا کہ اس گفتگو کی شکل ایک انٹرویو کی ہو جائے گی۔ اگر

مجھے پہلے سے معلوم ہوتا کہ ملاقات کا مقصد انٹرویو لینا ہے تو میں ذہناً تیار ہوتا اور محتاط انداز میں بات کرتا۔ اگرچہ ان کی تشریف آوری پر مجھے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ گفتگو انٹرویو کی نوعیت کی ہو گی چونکہ ان کیساتھ ٹیپ ریکارڈر بھی تھا اور کیمرہ مین بھی۔ میں نے تصاویر بنوانے سے تو معذرت کر دی البتہ انکے سوالات کے جوابات دیتا رہا۔ جس میں بے تکلفی کا عنصر غالب رہا۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ میں پہلے سے ذہناً انٹرویو کے لئے تیار نہ تھا۔ لہٰذا گفتگو کے اختتام پر میں نے ان سے عرض کیا کہ اس گفتگو کو ٹیپ سے منتقل کر کے مجھے دکھا ضرور دیں۔ انہوں نے اس کا وعدہ نہیں کیا لیکن مجھے اطمینان دلایا کہ کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہوگی۔ سب ٹھیک ٹھاک ہو گا' میں خاموش ہو گیا۔ چونکہ حقّانی صاحب جماعتِ اسلامی میں میرے بزرگوں میں سے تھے۔ لہٰذا میں مروّت کے خیال سے اصرار نہ کر سکا۔ لیکن انہوں نے ستم یہ کیا کہ اس تمام گفتگو کو جوں کا توں نقل کر کے شائع کر دیا۔ اس کی نہ نوک پلک درست کی نہ جہاں تابڑ توڑ سوالات کی وجہ سے جوابات میں جو تشنگی رہ گئی تھی یا بے تکلفی کے ماحول کی وجہ سے کہیں کہیں تیکھا پن آگیا تھا' اس کو درست کیا۔ اگرچہ جو باتیں انہوں نے نقل کی ہیں' وہ میری یادداشت کی حد تک درست ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس میں انہوں نے کوئی بات اپنی طرف سے شامل کی ہے۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ ایسی بے تکلفانہ اور برجستہ گفتگو کی بعض باتوں کو اگر جوں کا توں نقل کر دیا جائے وہ بھی اخبار میں تو اس کا تاثر مختلف ہو سکتا ہے جیسا کہ ہوا۔ اگر یہی خیالات مرتّب ہو کر اور دلائل کے ساتھ آتے تو شاید اس قسم کا فوری ہنگامہ اٹھ کھڑا نہ ہوتا ——— میں نے سوچا تھا کہ اس مسئلہ کی وضاحت میں ایک اخباری بیان دے دوں۔ لیکن مجھے اندیشہ ہوا کہ اخبارات میرے بیان میں ترمیم نہ کر دیں یا اس کی ترتیب بدل کر کچھ کا کچھ نہ بنا دیں۔ پھر اس بات کا بھی خیال آیا کہ بیان جاری کرنے میں ایک معذرت خواہانہ انداز ظاہر ہو گا۔ لہٰذا میں نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر میرے حقیقی خیالات و نظریات اس طور پر سامنے آگئے ہیں تو اسی میں خیر ہو گا۔ یہ من جانب اللہ ہے۔ اب ہر چہ بادا باد۔ بیان بازی سے اس صحیح بات کو ضُعف نہیں پہنچانا چاہیئے۔

دوسری وضاحت وہ ہے جس کو میں مختلف مواقع پر پیش کرتا رہا ہوں۔ آج اس کا اعادہ کر رہا ہوں کہ مطالعۂ قرآن و سُنّت کے نتیجے میں میری کچھ آراء اور نظریات اسلام کے سیاسی، معاشرتی اور

---

[۱] اس پر مستزاد یہ کہ خواتین کے متعلق گفتگو جو محض ضمنی تھی لیکن اسی کو اس انٹرویو کا اصل موضوع قرار دیکر اسی کے مطابق عنوانات اور نمایاں سرخیاں لگائی گئیں۔ (مرتّب)

معاشی نظاموں کے بارے میں مستقل طور پر قائم ہیں۔ جن کو تفہیم و تعلیم کے مقصد کے تحت میں تقریباً ڈیڑھ سال سے اجتماعاتِ جمعہ میں کتاب و سنت کے دلائل کے ساتھ پیش کرتا رہا ہوں ـــــ لیکن میں ان میں سے کسی مسئلہ کو بھی ایشوع (ISSUE) بنا کر کوئی تحریک یا مہم چلانا صحیح نہیں سمجھتا۔ مثلاً اس وقت بحالیٔ جمہوریت کی تحریک چلائی جائے تو اس سے SECULAR DEMOCRACY کے نام لیوا حضرات کو تقویت حاصل ہوگی۔ اسی طرح اجارہ داری اور غیر اسلامی اصولوں پر چلنے والی مزارعت یا مضاربت کے خلاف کوئی مہم چلائی جائے تو اس کا فائدہ سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو پہنچے گا۔ اس لئے میرے نزدیک ایسے اقدامات سے اسلام کو فائدہ کے بجائے نقصان پہنچنے کا زیادہ احتمال ہے۔

تیسری وضاحت یہ ہے کہ حقیقی اور واقعی اسلامی نظام کے نفاذ کے ضمن میں میرا نظریہ یہ ہے کہ یہ اوپر سے نیچے تھوپنے والا معاملہ نہیں ہے یعنی اگر صاحبِ اقتدار طبقہ چاہے کہ وہ اسلام کو نافذ کر دے تو ایسا اقدام مستحکم اور پائیدار نہیں ہوگا۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ عملی سیاست سے صرفِ نظر کرتے ہوئے خالصتاً نصح و خیر خواہی کے جذبے اور رضائے الٰہی کے نصب العین کو اختیار کر کے ایک مؤثر تحریک بپا ہو اور وہ معاشرے میں عبادتِ ربّ کی دعوت پر اپنی تمام توانائیاں اور توجہات کو مرکوز رکھے۔ لوگوں میں بحیثیت مسلمان جینے اور مرنے کا جذبۂ صادق پیدا کرے۔ ان کو حقیقی طور پر اللہ کا بندہ بننے کی نصیحت و وصیت کرے اور ان کے دلوں میں ایمان حقیقی کے بیج کی آبیاری کرے۔ ان کو اس مقصد کے لئے تیار کرے کہ وہ اپنے اپنے گھروں میں اور خود اپنے اوپر اپنی انفرادی زندگی کے دائرہ عمل میں اسلام کو نافذ کریں۔ تاکہ پھر ملک میں اجتماعی سطح پر صحیح اسلامی نظام نافذ ہو سکے۔ یہ تحریک جتنی جتنی مضبوط جڑیں پکڑتی رہے گی۔ اُسی تناسب سے پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ اور اس کے استحکام کے امکانات روشن ہوتے چلے جائیں گے ـــــ اس موقع پر ایک اشکال کا ازالہ ضروری ہے وہ یہ کہ جب میرا نظریہ یہ ہے کہ اسلام مضبوط بنیادوں پر اوپر سے نہیں بلکہ نیچے سے صحیح کام کرنے کے نتیجے میں نافذ ہو سکے گا تو پھر میں صدر محمد ضیاء الحق صاحب سے یہ کیوں مطالبہ کرتا رہتا ہوں کہ وہ پورے کا پورا اسلام نافذ کریں ـــــ ان سے میں یہ اس لئے کہتا ہوں کہ ان کا موقف ہی یہ ہے کہ انہوں نے اقتدار سنبھالا ہی اس لئے ہے کہ وہ اس ملک میں اسلام کی جڑوں کو مضبوط کر کے اس کو فی الواقع نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا جو شخص اس موقف اور مقصد کے ساتھ ملک کا اقتدار ہاتھ میں رکھنے کا مدعی ہو اور جس کے متعلق رائے بھی یہ ہو کہ وہ ایک مخلص اور پابندِ شریعت مسلمان ہے تو ایسے شخص سے یہ مطالبہ بالکل جائز اور حق بجانب ہے کہ وہ

اپنے قول اور دعوے کا عملی ثبوت پیش کرے۔ اس کے بغیر اس کا اقتدار ہاتھ میں رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ پھر یہ کہ اسلام کُل کا کُل نافذ کیا جائے۔ اس کو جُزوی طور پر نافذ کرنے اور تدریج کے فلسفے کو پیشِ نظر رکھنے کا نظریہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ ایسے جُزوی اقدامات اسلام کو بدنام کرنے کا ذریعہ بنیں ـــــ صدر محمد ضیاء الحق صاحب کا ایک جملہ یہ بھی حال ہی میں اخبارات میں نقل ہوا ہے کہ "میں نے سارے اسلام کو نافذ کرنے کا ٹھیکہ نہیں لیا ہے"۔ اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اخبارات میں رپورٹنگ غلط ہوئی ہے یا واقعی صدر صاحب نے یہ بات کہی ہے! بہرحال قرآنِ حکیم کا حکم تو یہی ہے کہ:

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً

"اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ"۔

اور احکام و شریعتِ اسلامی کے بعض حصّوں پر ایمان اور بعض حصّوں کے انکار پر بڑی سخت وعید آئی ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْىٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط

سورۃ البقرہ آیت ۸۵

"تو کیا تم کتاب کے ایک حصّے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصّے کیساتھ کفر کرتے ہو؟ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں، ان کی سزا اس کے سوا کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں ـــــ؟"

یہ وعید یہود کے اس طرزِ عمل پر وارد ہوئی ہے کہ انہوں نے شریعت کے احکام کی تقسیم کر رکھی تھی۔ کچھ کو مانتے تھے اور کچھ کا انکار کرتے تھے۔ یعنی ان کو عملی زندگی سے خارج کر رکھا تھا ـــــ لیکن اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کی شریعت کے ساتھ یہ معاملہ کرے گا وہ بھی اسی وعید کا مستوجب ہوگا چاہے وہ امتِ محمد علی صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام ہی سے تعلق رکھتا ہو ـــــ

اکتوبر ۱۹۸۲ء میں قرآن کانفرنس کے موقع پر جو مرکزی انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام منعقد ہوئی تھی تو اس کے لئے جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ایک پیغام بھی ارسال کیا تھا۔ اس

موقع پر میں نے ان کو اجلاس میں موجود متصوّر کر کے کہا تھا کہ "جنرل صاحب! آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑے امتحان میں ڈالا ہے۔ آپ کو چاہیئے کہ اللہ کے نام اور اس کے بھروسے پر پورے کے پورے اسلام کو نافذ کریں۔ اس وقت نظامِ مصطفیٰ ؐ کی تحریک کی وجہ سے ماحول بھی سازگار ہے۔" میں نے یہ بھی عرض کیا تھا کہ "جنرل صاحب! آپ پورے اسلام کا نفاذ کیجئے۔ اگر یہ معاشرہ اس وجہ سے آپ کو اٹھا کر پھینک دے تو کوئی بات نہیں۔ اس معاشرے نے تو بڑے بڑوں کو دوسرے اسباب سے اٹھا کر پھینک دیا ہے۔ اگر اسلام کے نفاذ کی وجہ سے کوئی شخص اقتدار اور منصب سے ہٹا دیا جائے تو اس سے بڑی سعادت اور کوئی نہیں"۔ اب بھی میں ان سے یہی کہتا ہوں اور کہتا رہوں گا۔ ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے۔ حال ہی میں خواتین کے قضیئے کے سلسلے میں ان کی یہ بات بھی اخبارات میں نقل ہوئی ہے کہ " اتھارٹی ڈاکٹر اسرار کے پاس نہیں میرے پاس ہے"۔ قطع نظر اس کے کہ حقیقی اتھارٹی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے لیکن اس عالمِ تشریعی میں اس وقت امرِ واقعہ یہی ہے کہ اتھارٹی ان ہی کے ہاتھ میں ہے۔ اب اگر وہ اس کو اسلام کے نفاذ کے لئے استعمال کریں اور معاشرہ اس کو قبول کر لے تو فھو المراد۔ لیکن اگر معاشرہ رد کر دے تو بھی انشاء اللہ آخرت میں وہ سرخرو ہوں گے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس رہا جیسا کہ اب تک چلا آ رہا ہے تو اس کی جواب دہی بھی ان کو خود ہی کرنی ہوگی۔ میں یا کوئی اور اس ضمن میں ان کے کام نہیں آسکے گا۔ وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَاعَةٌ

—— صدر صاحب کے اس جملے پر بعض اخبار والوں نے چاہا کہ میں کوئی تبصرہ کروں اور اس طرح وہ مجھ سے کوئی تیز و تند جملہ کہلوالیں۔ میں نے کہا کہ صدر صاحب نے حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ اس پر میں کیا تبصرہ کروں۔ ایک رپورٹر نے کہا آپ تو مجلسِ شوریٰ کے رکن ہیں۔ میں نے جواب میں عرض کیا کہ اس مجلسِ شوریٰ کے پاس بھی کوئی اختیار نہیں ہے۔ جو لوگ ایسا سمجھتے ہیں، وہ مغالطے میں ہیں یہ تو صرف مشورہ دینے کا ایک اجتماعی PLATFORM ہے۔

میرا اصل موقف

جیسا کہ آپ میں سے اکثر حضرات کے علم میں ہے کہ موجودہ مسلم معاشرے کے متعلق میرا تجزیہ اور میری تشخیص یہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں جو اعتقادی اور عملی گمراہیاں اور بے راہ روی پوری طرح مسلط ہے اس کا اصل سبب صدیوں کے بتدریج انحطاط و اضمحلال اور خاص طور پر انگریزوں کے دورِ غلامی اور خدا ناآشنا مغربی افکار و نظریات اور تہذیب کے ذہنی استیلاء کی وجہ سے ہمارے ایمان میں ضعف کا پیدا ہو جانا اور دین

کی حقیقی تعلیم و حکمت سے دور ہو جاتا ہے۔ یہی ضعف ایمان اور دین سے بُعد ہی ہماری تمام خرابیوں کی اصل جڑ ہے۔ اسی جڑ سے خرابیوں کی بے شمار شاخیں پھوٹی ہوئی ہیں۔ ان شاخوں سے اُلجھنے اور ان سے کشتی لڑنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اصل میں ہدف اس جڑ کو بنانا ہوگا۔ چنانچہ میں ان ہی اجتماعات جمعہ میں اپنا یہ مؤقف آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں کہ میری جو عملی جد و جہد ہے اور میری جتنی حقیر توانائیاں اور قوتیں، صلاحیتیں اور اوقات ہیں وہ دو کاموں میں صرف ہو رہے ہیں ـــــ پہلا کام یہ ہے کہ قرآن حکیم کے پیغام کی زیادہ سے زیادہ وسیع پیمانے اور اعلیٰ علمی سطح پر نشر و اشاعت کرنے کی ہر امکانی کوشش کرنا ـــــ اسے آپ دعوت رجوع الی القرآن کہہ لیں۔ اسے آپ تعلیم و تعلّم قرآن کہہ لیں۔ بہرحال میری ان مساعی میں پیش نظر یہ ہے کہ قرآن مجید ہی دراصل ایمان کا حقیقی منبع اور سرچشمہ ہے لہٰذا ایمان کے ضعف اور اضمحلال کا اگر ازالہ ہو سکتا ہے تو اسی قرآن کے ذریعے ہو سکتا ہے۔ اس مقصد کے لئے **مرکزی انجمن خدّام القرآن** قائم ہوئی ہے۔ پھر جب حقیقی ایمان پیدا ہو جائے اور اپنے حقیقی دینی فرائض کا احساس ابھرے تو جد و جہد کی دوسری سطح یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو منظم کیا جائے تاکہ جماعتی شکل اختیار کر کے یہ لوگ کوشش کریں کہ معاشرے میں دعوت عبادت رب وسیع پیمانے اور محکم بنیادوں پر برپا ہو۔ اس کے لئے **تنظیم اسلامی** کا قیام عمل میں آیا ہے۔ جو ابھی ایک بہت ہی مختصر سا قافلہ ہے۔ لیکن بہرحال میری توانائیاں اس میں بھی لگ رہی ہیں ـــــ تو یہ دو اصل کام ہیں، جن میں، میں ہمہ تن و ہمہ وقت لگا ہوا ہوں۔ باقی میرے دوسرے سارے کام ضمنی ہیں۔ اگر مجلس شوریٰ میں میری شمولیت ہے[1] تو یہ ایک ضمنی مصروفیت ہے، بنیادی نہیں ہے۔ اس کی گواہی ہر وہ شخص دے گا جو مجھ سے کسی درجے میں بھی واقف ہو۔ سولہ سال سے تو میں لاہور ہی میں ہوں اور یہاں ان سولہ سالوں میں قرآن حکیم کے پیغام کی نشر و اشاعت میں میری حقیر مساعی سے میرا حُسنِ ظن ہے کہ لاہور کا تعلیم یافتہ طبقہ بخوبی واقف ہوگا۔

مساعی کا اصل ہدف

میں نے گذشتہ خطاب جمعہ میں عرض کیا تھا کہ میری ان دونوں سطحوں پر مساعی کا اصل ہدف ہے ایک "اسلامی انقلاب" اصلاحی طرز یا سیاسی نوع کی سعی و کوشش کے ذریعے اقامت دین کے فرض کی ادائیگی میرے نزدیک اگر ناممکن نہیں تو بھی محال کے درجے میں ضرور ہے۔ اس کے لئے ایک انقلابی نوعیت کی جد و جہد کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں، میں نے چونکہ ایرانی انقلاب کا بھی نام لے دیا تھا۔ لہٰذا اس پر اخبارات میں آگیا کہ ڈاکٹر

[1] ڈاکٹر صاحب موصوف نے ۵ مئی ۱۹۸۲ء کو صدر مملکت کی خدمت میں مجلس شوریٰ کی رکنیت سے اپنا استعفا پیش کر دیا تھا۔ (مرتب)

اسرار انتہا پسندہے اور وہ یہاں ایرانی طرز کا انقلاب لانا چاہتا ہے، حالانکہ میں نے بڑی صراحت سے اس موقع پر عرض کیا تھا کہ میں اس انقلاب پر نفیاً یا اثباتاً کوئی تبصرہ کرنا نہیں چاہتا بلکہ صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس انقلاب نے اس بات کی ایک جھلک دکھا دی ہے کہ "انقلاب" کسے کہتے ہیں۔ پوری دنیا نے اس کو تسلیم کیا ہے کہ انقلابی عمل اگر کوئی شے ہے تو ایران نے دکھا دیا ہے کہ وہ شے کیا ہے۔ رہا یہ معاملہ کہ اس انقلاب ایران کا کتنا حصہ صحیح ہے کتنا غلط۔ ان کی حکمت عملی پوری کی پوری درست ہے یا اس میں تقصیر ہے۔ پھر یہ کہ وہاں کے حالات کی صحیح اطلاعات ہم تک نہیں پہنچ پا رہیں بلکہ بڑی متضاد قسم کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ لہٰذا ہم اس کی تائید یا خلاف کوئی بات کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں۔ لیکن جس چیز کا نام 'انقلاب' ہے اس کی جھلک وہاں موجود ہے۔ میں نے ہرگز یہ نہیں کہا کہ بعینہٖ ایران کی طرز کا انقلاب برپا کرنا میرے پیش نظر ہے۔ میں یہ ضرور کہتا ہوں کہ جیسے انقلاب فرانس اور انقلاب روس نے دنیا کو چونکا دیا تھا اسی طرح انقلاب ایران نے دنیا کو ایک بار پھر چونکا دیا ہے۔ اب ہم انقلاب فرانس اور انقلاب روس کو اپنے لئے نمونہ تو نہیں سمجھتے۔ ان میں سے کوئی انقلاب بھی ہمارے لئے قابل پیروی اور اتباع نہیں ہے۔ میرا عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ 'انقلاب' کسی جزوی تبدیلی یا محض حکمران ہاتھوں کی تبدیلی کا نام نہیں ہوتا بلکہ ایک نظام کے مقابلے میں بالکلیہ کوئی دوسرا نظام رائج و نافذ ہونے کے عمل کو انقلاب کہا جاتا ہے۔ لہٰذا میری حقیر سی کوششوں کا ہدف یہ ہے کہ صحیح اسلامی بنیادوں پر انقلاب برپا ہو۔ جس میں لوگوں کے عقائد بدلیں، ان کے اعمال و افعال بدلیں، ان کی اقدار بدلیں، ان کے شب و روز بدلیں، ان کو دنیا کے مقابلے میں آخرت عزیز ہو۔ رضائے الٰہی ان کا مقصود و مطلوب بن جائے۔ اور گھر سے لے کر بازار تک اور ایوانِ حکومت سے لے کر بین الاقوامی سطح تک ان کے تمام معاملات اللہ کے دین کے مطابق انجام پائیں۔

مسئلہ کا پس منظر اور پیش منظر

اسلام میں خواتین کا مقام کیا ہے؟ یہ مسئلہ اٹھانا میرے پیش نظر نہیں تھا۔ یہ میرے مستقل تجزیے اور مستقل موقف کے مطابق نہیں ہے۔ اس کا پس منظر میں بیان کر چکا ہوں۔ اب پیش نظر پر بھی ایک نگاہ ڈال لیجیے۔ شر میں سے بھی بسا اوقات خیر برآمد ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے۔ اس انٹرویو میں شامل چند جملوں پر ہماری خواتین کے ایک طبقے اور ان کے مؤیدین حضرات کی طرف سے جس ردِ عمل، برافروختگی اور غصے کا اظہار ہوا اور ہمارے بعض مؤقر اخبارات نے ان خواتین اور حضرات کے بیانات کو جس طرح پہلے صفحات پر جلی سرخیوں اور چوکٹوں میں شائع کیا ہے۔ اس سے ہمارے معاشرے

کے رُخ کا ایک واضح پہلو ہمارے سامنے آگیا ہے۔ جس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ہمارا ماحول، ہماری معاشرت اور ہمارا معاشرہ کس رنگ اور کس نہج پر جا رہا ہے اور کیا رجحانات اور میلانات ہمارے تعلیمیافتہ صاحبِ ثروت اور صاحب اقتدار طبقے کے اکثر حضرات و خواتین میں راسخ ہو چکے اور رچ بس چکے ہیں۔ پھر یہ کہ ہمارے ملک کے ایڈمنسٹریشن نے بحیثیت مجموعی ان رجحانات و میلانات کا کس طرح ساتھ دیا ہے۔ مارشل لاء کے ضابطوں کی کھلم کھلا خلاف ورزی سے کس طرح صرفِ نظر کیا گیا ہے۔ چونکہ مظاہرہ کرنے والی خواتین میں بعض اعلیٰ مناصب اور جاہ و حشمت رکھنے والے حضرات کی بیگمات اور خواتین شامل تھیں[۱] پھر اخبارات میں مضامین اور مراسلات کے ذریعے قرآن و سنّت کے واضح تعلیمات بلکہ نصوصِ قطعیہ کے بالکل برخلاف جو من مانی اور مسخ شدہ تاویلات و تعبیرات سے جس طرح غضِّ بصر کیا گیا ہے وہ بھی ملک کے اخبار بین طبقے کے سامنے ہے[۲]۔ یہ تمام باتیں یقیناً ایسی ہیں کہ ہمارے لئے حالات کے رُخ کو پہچاننے میں ممد ہیں اور اگر ہمیں واقعتاً اس ملک میں اسلام ہی کو نافذ کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ ہمارے لئے معاشرے کے میلانات اور رجحانات کے متعلق صحیح معلومات ضروری ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارے معاشرے کے بارے میں اگر ایک حُسنِ ظن، خوش گمانی اور اچھی توقع و امید کی کیفیت پیدا ہو رہی تھی تو ہمیں اس ردِّ عمل کی روشنی میں اس پر نظرِ ثانی کی ضرورت محسوس کر لینی چاہیئے۔ اور اس بات کی تشخیص بھی ہو جانی چاہیئے کہ ہمارے معاشرے کا اصل مرض کیا ہے!

اسلام میں خواتین کا مقام

آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے چار پانچ تقاریر "قرآن کی سیاسی تعلیمات" کے موضوع پر کی تھیں۔ پھر ان کا خلاصہ ایک تقریر میں بیان کیا تھا جو "ماھنامہ میثاق" کے مارچ ۸۱ کے شمارے میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد

۱۔ مراد ہے وہ مظاہرہ جو اخباری اطلاعات کے مطابق "الھدیٰ" بند کرانے کے مطالبے کے لئے جناب گورنر سندھ کی اہلیہ بیگم یاسمین عباسی کی زیر قیادت کیا گیا تھا۔ (مرتب)

۲۔ اس ضمن میں قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ پریس ٹرسٹ کے زیرِ اہتمام کراچی سے خواتین کے لئے شائع ہونے والے ہفت روزہ میں ایسے مضامین اور مراسلات کثرت سے شائع ہوتے رہے ہیں جن میں ڈاکٹر صاحب کو آڑ بنا کر اسلام کے صریح احکام کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ جبکہ دنیا جانتی ہے کہ پریس ٹرسٹ حکومت کے تحت چلنے والا ادارہ ہے۔ (مرتب)

ں نے " اسلام کے معاشرتی نظام " کے موضوع پر بھی چار پانچ تقاریر کی ہیں۔ آج کی تقریر ان تمام
اریر کا ایک خلاصہ ہو جائے گی اور انشاء اللہ العزیز یہ خلاصہ آئندہ ماہ کے میثاق میں شائع ہو
ئے گا تاکہ آپ حضرات کے سامنے اس مسئلے کے اہم گوشے تحریری شکل میں بھی آجائیں پھر جو لوگ
ی باتوں سے اتفاق رکھتے ہوں اور اس کو معاشرے میں پھیلانا چاہتے ہوں اور خاص طور پر
مری بہنوں تک اسلام کی تعلیمات پہنچانے کے خواہشمند ہوں تو وہ لوگ میثاق کے اس شمارے
اس کام کا ذریعہ بنا سکیں تاکہ ہماری بہنیں خود سوچیں کہ اسلام کیا چاہتا ہے ؟ شریعتِ الٰہی کا
ا کیا ہے ؟ اور کن طور طریقوں کو اختیار کر کے ہماری بہنیں اپنی دنیا اور آخرت دونوں سنوار
تی ہیں ۔۔۔! ہمارے معاشرے میں ایک طبقہ تو وہ ہے جو جان بوجھ کر اسلامی احکام اور تعلیمات
ے روگردانی کر رہا ہے یا جان بوجھ کر اسے مسخ کر رہا ہے۔ اس طبقے کے لئے تو ہماری گذارشات
ریریں اور تحریریں لاحاصل ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے اگرچہ بڑی تلخ ہے کہ ہماری بعض
ن اور بھائیوں کو فی الواقع مغالطہ اور انتشار ذہنی (CONFUSION) لاحق ہے۔
ب ایک بات بڑے دعوے کے ساتھ موقر روزناموں میں آئی ہے کہ " پورے قرآن مجید میں
حجاب کہیں نہیں آیا ہے " یا یہ کہ قرآن میں تو صاف صاف اس بات کا ذکر ہے کہ " جو مرد
ئے وہ اس کے لئے اور جو عورت کمائے وہ اس کے لئے " اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ
رت کو معاشی جدوجہد کی قرآن نے کھلی اجازت دی ہے ! یا یہ کہ " فلاں فلاں غزوات میں
ین نے حصہ لیا تھا لہٰذا عورتوں کو مردوں کے شانہ بشانہ حصہ لینے کی نظیریں موجود ہیں "
سی باتوں سے ایک مرتبہ انسان چونک جاتا ہے کہ جب ان باتوں کو اس زور و شور اور یقین
تماد سے کہا گیا ہے اور قابلِ اعتماد اخبارات نے ان کو شائع کیا ہے تو یقیناً بات ایسی ہی
ں۔ ان وجوہ سے فضا میں غبار کی سی کیفیت پیدا ہو گئی ہے لہٰذا ایسے لوگوں کے لئے یقیناً
تیں عام کی جائیں ان کے حق میں مفید ہوں گی۔ ہو سکتا ہے کہ اس طرح ان کے مغالطے دور
ں اور اصلاح کی صورت پیدا ہو۔

اب آئیے اصل مسئلے کی طرف وہ یہ کہ قرآن اور اسلام کی رو سے حقیقتاً اور واقعتاً عورت
ام کیا ہے ؟ بالخصوص یہ بات کہ عورت کی مرد کے ساتھ مساوات یا عدم مساوات کی ہمارے
یں کیا کیفیت اور کیا صحیح صورت ہے ؟

عورت کا دینی اور اخلاقی تشخص

اس ضمن میں پہلی بات تو میں یہ عرض کروں گا کہ جہاں تک دینی اور اخلاقی سطح کا تعلق ہے تو قرآن اور اسلام اس اعتبار سے مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں کرتا۔ نیکی اور بدی کے کمانے میں دونوں اصناف کا علیحدہ علیحدہ ایک مکمل اخلاقی تشخص ہے۔ مرد کا اپنا ہے اور عورت کا اپنا۔ مرد جو نیکی کماتا ہے تو اپنے لئے اور بدی کماتا ہے تو اپنے لئے اور عورت نے جو نیکی کمائی ہے تو اس کا اجر اس کے لئے ہے اور بدی کمائی ہے تو اس کا وبال بھی اسی کے اوپر ہوگا۔ عورت دینی اور اخلاقی اعتبار سے مرد کے تابع نہیں ہے۔ چنانچہ سورہ التحریم میں واضح کیا گیا کہ بہترین مردوں کے گھر میں بدترین عورتیں رہیں۔ اس کے لئے حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کی مثال دی گئی۔ اگر عورت دینی اور اخلاقی اعتبار سے مرد کے تابع ہوتی تو ان دو جلیل القدر رسولوں کی بیویاں عذاب دنیوی اور سزائے اخروی کی مستحق قرار نہ پاتیں لیکن ان رسولوں کی بیویاں ہونا ان کے کچھ کام نہ آیا اور وہ جہنم کی سزاوار قرار پائیں۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ ؕ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا وَّقِيْلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدّٰخِلِيْنَ ۝

(آیت ۱۰)

"اللہ کافروں کے معاملے میں نوحؑ اور لوطؑ کی بیویوں کو بطور مثال پیش کرتا ہے۔ وہ ہمارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں، مگر انہوں نے اپنے ان شوہروں سے خیانت کی اور وہ اللہ کے مقابلے میں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکے۔ دونوں سے کہہ دیا گیا کہ جاؤ آگ میں جانیوالوں کے ساتھ تم بھی چلی جاؤ۔"

چنانچہ معلوم ہوا کہ دینی اور اخلاقی لحاظ سے مرد اور عورت کا معاملہ بالکل جدا ہے۔ یہاں ایک ضروری بات پیش نظر رہے کہ یہاں خیانت کا لفظ بدکاری کے مفہوم میں ہرگز نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اس آیت کی تفسیر میں ابن جریرؒ نے یہ قول روایت کیا ہے کہ "کسی نبی کی بیوی کبھی بدکار نہیں رہی"۔ ان دونوں عورتوں کی خیانت دراصل دین کے معاملے میں تھی۔ وہ اپنے شوہروں پر ایمان نہیں لائی تھیں۔ حضرت نوحؑ کی بیوی اپنی قوم کے

جباروں کو ایمان لانے والوں کی خبریں پہنچایا کرتی تھی اور حضرت لوطؑ کی بیوی ان کے ہاں آنے والے لوگوں کی اطلاع اپنی قوم کے بدکاروں کو دیا کرتی تھی۔" اسی سورۂ التحریم میں دوسری مثال فرعون کی بیوی کی پیش کی گئی جن کا نام روایات میں آسیہ آتا ہے۔ فرعون اللہ کا بدترین دشمن، اللہ کا باغی، انتہائی سرکش، لیکن اس کی بیوی ایسی صاحب ایمان، خدا پرست اور خدا ترس خاتون تھی کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ان کو بطور مثال پیش اور ان کی دعا نقل فرما رہے ہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ ۘ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِيْ عِنْدَكَ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ وَنَجِّنِيْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِهٖ وَ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (آیت ۱۱)	"اور اللہ اہل ایمان کے معاملے میں فرعون کی بیوی کی مثال پیش کرتا ہے جبکہ اس نے دعا کی" اے میرے رب میرے لئے اپنے ہاں جنت میں ایک گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے عمل سے بچالے اور ظالم قوم سے مجھے نجات دے"

حضرت آسیہ کے لئے فرعون جیسے طاغی کی بیوی ہونا بھی کسی نقصان کا موجب نہیں ہوا۔ ان دونوں مثالوں سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ عورت دینی اور اخلاقی حیثیت سے مرد کے تابع نہیں ہے بلکہ اس اعتبار سے اس کا ایک علیحدہ اور جداگانہ تشخص ہے۔

اسی بات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث سے بھی سمجھئے کہ آں حضرتؐ نے اپنی عزیز ترین بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور آپؐ کی ذات اقدس سے بہت محبت کرنے والی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو خطاب کر کے فرمایا:

يَا فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا يَا صَفِيَّةُ عَمَّةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْقِذِيْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّيْ لَا اَمْلِكُ لَكِ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا؛	"اے فاطمہ! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر اپنے آپ کو اللہ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو اس لئے کہ میں اللہ کے ہاں تمہارے کام نہیں آسکوں گا۔ اور اے صفیہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی، اپنے آپ کو اللہ کی آگ سے بچانے کی فکر کرو کیونکہ میں اللہ کے

ہاں تمہارے کام نہیں آسکوں گا۔"

وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم کرتا ہے

سورۂ آلِ عمران کے آخری حصے میں فرمایا گیا ہے:۔

اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ

(آیت ۱۹۵)

"میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے کسی بھی عمل کو ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ وہ عمل کرنے والا مرد ہو خواہ عورت۔ تم سب ایک دوسرے ہی میں سے ہو۔"

تمدن کی گاڑی کے مرد و عورت دو پہیے ہیں۔ ان کی جسمانی ساخت مختلف ہے۔ نفسیاتی کیفیات مختلف ہیں۔ یہ اختلافات تمدن کی ضرورت کے تحت رکھے گئے ہیں۔ لیکن انسان ہونے کے ناطے سے وہ ایک دوسرے کی جنس ہیں۔ لیکن دینی اور اخلاقی اعتبارات سے دونوں کا جداگانہ اور مستقل تشخص ہے اور وہ اپنی اپنی شخصیت کے ذمہ دار ہیں ـــــ یہی بات سورہ الاحزاب میں بڑے ہی پیارے انداز میں آئی ہے۔ اس کی آیت نمبر ۳۵ میں، جو طویل آیات میں سے ہے فرمایا گیا:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝

"بالیقین جو مرد اور جو عورتیں مسلم ہیں، ایمان والے اور ایمان والیاں ہیں، مطیع فرمان ہیں، راست گو اور راست باز ہیں، صبر کرنے والے اور صبر کرنے والیاں ہیں، اللہ کے آگے جھکنے والے اور جھکنے والیاں ہیں اور صدقہ دینے والے اور صدقہ دینے والیاں ہیں اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں ہیں اور عصمت مآب ہیں اور اللہ کو کثرت سے یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں ہیں، اللہ نے ان (مردوں اور عورتوں) کیلئے مغفرت اور بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"

اب ذرا غور کیجئے کہ دینی و اخلاقی مساوات کو یہاں کس قدر حسین اور جامع اسلوب سے نمایاں کیا گیا ہے۔ جتنے اور جو بھی اعلیٰ اوصاف مسلمان مرد میں ہو سکتے ہیں اتنے اور وہی اعلیٰ اوصاف مسلمان خاتون میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق و تفاوت نہیں ہے۔ دینی، اخلاقی اور روحانی ترقی اور اعلیٰ مقامات و مدارج تک پہنچنے کے جتنے بھی مواقع مردوں کے لئے ہو سکتے ہیں، اتنے ہی خواتین کے لئے بھی موجود ہیں۔ ان کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے کہ وہ ان مقامات عالیہ تک نہ پہنچ سکتی ہوں۔ یا ان اعتبارات سے وہ کم تر درجے کی حامل ہوں۔ پس یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دینی، اخلاقی اور روحانی لحاظ سے عورت کا تشخص بھی کامل ہے اور مرد کے ساتھ وہ مکمل مساوات رکھتی ہے۔ اسی طرح سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۲ میں فرمایا گیا:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ○	"اور اللہ نے مرد و عورت میں سے ایک دوسرے کو جو فضیلت دی ہے اس کے لئے ارمان نہ کرو۔ مرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی کریں گے اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں سے حصہ مانگو۔ بالیقین اللہ ہر چیز کا جاننے والا ہے

اس آیت میں بھی درحقیقت دینی، اخلاقی اور روحانی سطح کے موضوع کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس آیت میں ایک طرف تو یہ بات صاف ہو گئی کہ قدرت کی طرف سے مرد اور عورت کو جو خصوصیات ودیعت کی گئی ہیں ان میں فضیلت کا پہلو کسی ایک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس لحاظ سے دونوں برابر کے حصہ دار ہیں۔ لیکن نضیلت فضیلت میں فرق ہے۔ لہٰذا یہ تمنا نہ کرو کہ جو فضیلتیں فطرت کے اصول کے مطابق دی گئی ہیں ان میں مساوات اور یکسانیت ہو۔ ایک دوسرے پر رشک کرے اور ان کی ریس کرنے کے بجائے ہر ایک اپنی اپنی نعمتوں کے حصے پر قانع اور شکر گزار رہے۔ اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ دوسری طرف یہ حقیقت واضح کی گئی کہ نیکی اور بدی کی کمائی کرنے میں مرد اور عورت بالکلیہ آزاد ہیں۔ ہر ایک کو اپنی اپنی کمائی میں سے حصہ ملے گا۔ مرد کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی میں عورت حصہ دار نہیں ہوگی اور اسی طرح عورت کی کمائی ہوئی نیکی یا

بدی سے مرد کو کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ گویا دینی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے مرد و عورت کا مکمل جداگانہ تشخص ہے اور اس لحاظ سے دونوں میں کامل مساوات ہے۔ دونوں اس میدان میں اپنی اپنی محنت اور لگن سے نیکیاں کما سکتے ہیں۔ جس کے اجر میں کمائی کرنے والے ہی کا حصہ ہوگا۔ اور جو کوئی ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر اور شیطان کے فریب میں آکر بدی کمائے گا تو اس کا وبال اس کمائی کرنے والے کے سر پر ہی ہوگا ——— اِس آیت پر خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے چونکہ ہماری کچھ بہنیں اس آیت میں لفظ "کسب" سے بڑے مغالطے میں مبتلا ہو گئی ہیں اور آج کے دَور کی "جدید مفسرات قرآن" اس 'لفظ کسب' سے ہماری سادہ لوح بہنوں کو مغالطے میں مبتلا کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ یہ جدید مفسرات بڑے دھڑلے سے کہہ رہی ہیں کہ اس آیت میں کسب سے مراد یہ ہے کہ معاش کے لئے جس طرح مرد بھاگ دوڑ کر سکتا ہے۔ کاروبار یا ملازمت کر سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی معاشی جد وجہد میں حصہ لینے کی پوری آزادی اور کھلی چھوٹ ہے۔ میں اس مسئلہ پر آگے قدرے تفصیل سے گفتگو کروں گا۔ لیکن یہاں یہ جان لیجئے کہ قرآن مجید میں "لفظ کسب" اکثر و بیشتر نیکی یا بدی کمانے کے معنی اور مفہوم میں آیا ہے۔ میرے مطالعے کے مطابق لفظ کسب دنیوی کمائی کے لئے صرف سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۶۷ میں استعمال ہوا ہے۔ جہاں انفاق فی سبیل اللہ پر زور دیا گیا ہے۔ اور تاکید کی گئی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ	"اے اہل ایمان! جو مال تم نے کمائے ہیں ان میں سے پاکیزہ اور بہتر حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔"

فضل

دنیوی رزق کو تو اللہ تعالیٰ فضل قرار دیتا ہے۔ انسان جو کچھ دنیوی رزق اور مال حاصل کرتا ہے اس کے لئے قرآن کی اصطلاح "فضل" ہے۔ کسب یعنی کمائی نہیں ہے۔ قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ بلاشبہ محنت تم کرتے ہو اور مشقت تم کرتے ہو لیکن کبھی یہ نہ سمجھنا کہ مجھے جو کچھ ملا ہے وہ میری محنت و مشقت کا حاصل اور ثمرہ ہے بلکہ یہی سمجھنا کہ یہ اللہ کا فضل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم محنت کئے جاؤ اور ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔ مشقت کئے جاؤ اور نتیجہ صفر نکلے ——— ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ انسان سونے میں ہاتھ ڈالتا ہے اور وہ راکھ بن جاتا ہے۔ حالانکہ ذہانت و فطانت بھی ہے اور محنت و احتیاط بھی۔ اس کے برعکس ایک وہ شخص ہے جو مٹی میں ہاتھ ڈالتا

ہے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رزق کی بہم رسانی، اس کی کشادگی اور تنگی من جانب اللہ تعالیٰ ہوتی ہے اور یہ اصل میں اس کا فضل ہے —— باقی رہا لفظ کسب تو وہ نیکی کمانے اور بدی کمانے دونوں معنوں میں آتا ہے۔ لہٰذا اس آیت ۳۲ میں بھی دینی اور اخلاقی اعتبار سے بات کہی گئی ہے کہ مردوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے (نیکی یا بدی کی) کمائی کی اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے (نیکی یا بدی کی) کمائی کی۔ مردوں کی کمائی ان کے لئے ہے اس میں عورتوں کا کوئی حصہ نہیں اسی طرح عورتوں کی کمائی ان کے لئے ہے وہ مردوں کے حساب میں درج نہیں ہوگی —— یہاں خاص طور پر یہ بات نوٹ کیجیے کہ 'نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا' اور 'نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ' ہے۔ اگر یہاں لفظ کسب دنیوی کمائی کے لئے استعمال ہوتا تو 'نصیب' (حصہ) نہ کہا جاتا۔ دنیا میں تو کمائی پوری ملتی ہے۔ مثلاً اگر کسی کاریگر یا مزدور نے تیس روپے روزانہ اجرت طے کر کے کام کیا ہے تو اسے پورے تیس روپے ملیں گے۔ نصیبٌ منہ یعنی اس کا کوئی جزو یا حصہ نہیں ملے گا۔ اس آیت میں لفظ نصیب اس مفہوم کی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ انسان دنیا میں جو نیکی یا بدی کماتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ اس کے مطابق اور اسی مقدار میں بدلہ بھی مل جائے۔ ہو سکتا ہے کہ نیکی کمانے میں کہیں حسنِ نیت میں کوئی کمی ہو لہٰذا اس کا اجر کچھ کم ہو جائے ہو سکتا ہے کہ اخلاص پورا ہو تو اسی مناسبت سے اسی نیکی پر اُسے دوسروں کے مقابلے زیادہ اجر مل جائے۔ یہ بھی ہوگا کہ کسی کی نیکی کے اثرات معاشرے میں پھیلیں اور کسی کی اسی نیکی کے اثرات اس کی ذات تک محدود رہیں تو اسی اعتبار سے اجر و ثواب میں تفاوت واقع ہو جائے گا —— ان ہی اصولوں کا بدی کمانے کے معاملے پر بھی انطباق کر لیجیے۔

عورت کا قانونی تشخص

آگے چلئے یہ بات اپنی جگہ بالکل صحیح ہے کہ تاریخ انسانی میں اسلام نے پہلی مرتبہ عورت کو مستقل قانونی تشخص عطا کیا ہے۔

LEGAL STATUS

دیا ہے۔ وہ اپنی ذاتی ملکیت رکھ سکتی ہے۔ اس کو حق ملکیت بھی حاصل ہے اور اس پر تصرف کا اختیار بھی —— یہ جو قانونی تشخص ہے۔ یہ اسلام نے عورت کو اس درجے دیا ہے کہ میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی اور مذہب نے عورت کا یہ تشخص تسلیم کیا ہو اور اسے عطا کیا ہو۔ روحانی اعتبار سے تو تقریباً تمام مذاہب میں سمجھا ہی گیا ہے کہ 'عورت' سراپا شر ہی شر ہے'، 'یہ گندگی ہی کی پوٹلی ہے'، 'یہ بِس کی گانٹھ ہے'،

یہ بُرائی اور بدی کا سرچشمہ اور منبع ہے۔ انگریزی لفظ ' EVIL ' کے متعلق کہا جاتا ہے (جس کے معنی بدی اور برائی، گنہگار اور شیطان و ابلیس لئے جاتے ہیں) کہ یہ لفظ ' EVE ' سے بنا ہے۔ جو حوّا کے نام کا انگریزی ترجمہ ہے۔ عیسائیت (CHRISTIANITY) میں عورت کے متعلق یہی تصوّرات ہیں جن کا میں نے ابھی ذکر کیا ہے۔ اسلام کا تصوّر یہ نہیں۔ ہے بلکہ اسلام نے عورت کو بھرپور دینی و اخلاقی تشخص کے ساتھ بھرپور قانونی تشخص بھی عطا کیا ہے۔ عورت کو پستی کے مقام سے اٹھا کر اسلام نے کس اعلیٰ و ارفع مقام فائز کیا ہے اس پر میں آگے قدرے تفصیل سے گفتگو کروں گا۔ یہاں میں صرف ایک حدیث آپ کو سنانا چاہتا ہوں، جس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر مذاہب میں عورت کے متعلق جو غلط تصورات ہیں ان کا اسلام میں کس طرح ابطال کیا گیا ہے۔ سنن نسائی میں روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

حُبِّبَ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْیَا النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ وَجُعِلَ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ

"دنیا کی چیزوں میں مجھے سب سے زیادہ محبوب عورت اور خوشبو ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے۔"

قانونی تشخص میں مساوات نہیں ہے۔

جو لوگ بھی اسلام کو واقعی ایک مکمل نظامِ حیات اور زندگی کے ہر معاملے میں کتاب و سنت کو ہی اپنا ہادی اور امام تسلیم کرتے ہیں اور اسی کی رہنمائی کی پیروی کو اپنے لئے دنیا و آخرت کے لئے موجبِ فوز و فلاح اور سعادت سمجھتے ہیں وہ نوٹ کریں کہ اسلام نے عورت کو ایک مکمل قانونی تشخص ضرور عطا کیا ہے۔ لیکن قانونی سطح پر مرد و عورت کو مساوی اور برابر نہیں رکھا گیا ہے۔ دینی اور اخلاقی سطح پر بالکل برابر، کامل مساوات۔ قانونی طور پر یہ مساوات قائم نہیں رہتی ـــــ اس ضمن میں قرآن مجید سے دو باتیں تو ایسی نمایاں طور پر ثابت ہیں کہ جس سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا۔

نمبر ایک یہ کہ اسلام نے عورتوں (بیٹیوں، بیویوں اور ماؤں) کا وراثت میں حق رکھا ہے اور ان کو حصّہ دیا ہے۔ لیکن برابر نہیں۔ بیٹے کے مقابلے میں بیٹی کا حصّہ آدھا ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ
(النساء ۱۱)

" اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں یہ ہدایت کرتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصّہ دو۔"

اسی طرح باپ کے مقابلے میں ماں کا حصّہ آدھا ہے۔ کون شخص ہے جو مسلمان ہونے کا مدّعی ہو، قرآن پر ایمان رکھنے کا دعویدار ہو اور کسی درجے میں قرآن سے واقف ہو اور یہ نہ جانتا ہو کہ کس قدر تفصیل سے قانونِ وراثت قرآن مجید میں آیا ہے۔ پھر یہ کہ عورت کو (بحیثیت بیٹی، بیوی، ماں، بہن، خالہ، پھوپھی) جو حقِ وراثت دیا گیا ہے، وہ مرد کے مقابلے میں آدھا ہے۔ پھر اس کا سبب بھی باآسانی سمجھ میں آجاتا ہے۔ وہ یہ کہ اسلام معاشی کفالت کا تمام بوجھ مرد کے کاندھوں پر ڈالتا ہے۔ اور اپنی جسمانی ساخت، توانائیوں اور صلاحیتوں کے لحاظ سے وہی اس بوجھ کو اٹھانے کے لائق اور قابل بھی ہے۔ لہٰذا وراثت میں عورت کے مقابلے میں اس کا دوہرا حصّہ رکھا گیا ہے۔ بیٹی کو جو کچھ ملے گا وہ اسے بیوی کی حیثیت سے لے کر شوہر کے گھر چلی جائے گی۔ اور یہ اس کی ذاتی ملکیت ہوگی۔ یا پہلے ہی سے شادی شدہ ہے تو اس کو یہ ورثہ ذاتی طور پر مل جائے گا۔ اس کی اپنی کفالت اپنے شوہر کے ذمّے ہے۔ لہٰذا باپ یا ماں کی طرف سے ملنے والا ورثہ اس کی ذاتی ملکیت (PERSONAL PROPERTY) کی حیثیت سے رہے گا۔ اس کو شوہر یا اپنے بچّوں کی کفالت نہیں کرنی۔ لیکن بیٹے کو ظاہر بات ہے کہ اپنے خاندان کی کفالت کرنی ہے۔ چنانچہ یہ بالکل منطقی اور عقلی طور پر مربوط اور متعلق چیزیں ہیں۔ ان میں کوئی استبعاد نہیں ہے کہ بیٹی کو بیٹے کے مقابلے میں حصّہ نصف دیا جائے۔

نمبر دو یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ قانون میں "شہادت" بڑی اہمیت رکھنے والی چیز ہے۔ شہادت کے بارے میں قرآن سے معمولی شغف رکھنے والا کون شخص ہوگا جو یہ نہیں جانتا ہوگا کہ قرآن کا قانون یہ ہے کہ شہادت کا نصاب یا دو مرد ہیں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہیں۔ یعنی ایک مرد کے ساتھ شہادت کے لئے دو عورتیں ہونی ضروری ہیں۔ ان دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے مساوی شمار کی جائے گی۔ یہ قانون قرآن مجید میں صراحتاً مذکور ہے۔ سورہ البقرہ کی آیۃ نمبر ۲۸۲ میں جو بڑی طویل آیت ہے، بہت سے قوانین بیان ہوئے ہیں۔ جن میں قانونِ شہادت بھی شامل ہے۔ جس کے ضمن میں فرمایا گیا ہے:۔

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ج فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى ط	"اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا سکے"۔

ایک مرد کے مقابلے میں دو عورتوں کو بطور گواہ مقرر کرنے کی حکمت بھی بیان فرما دی کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے ــــ اب آپ سوچئے کہ نسیان مرد کو بھی لاحق ہو سکتا ہے۔ مرد بھی بھول سکتا ہے اور عورت بھی۔ لیکن قرآن حکیم کا یہ اسلوب اور انداز بتا رہا ہے کہ نسیان کا زیادہ امکان عورت کے بارے میں ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ مرد و عورت کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے۔ اس کی فطرت کی ساخت بھی اسی کی بنائی ہوئی ہے۔

اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ہ (الملک ۱۴)	کیا وہی نہیں جانے گا جس نے پیدا کیا ہے؟ درآں حالیکہ وہ باریک بین اور باخبر ہے"۔

پس وہی اللہ مرد و عورت کی فطرت کا فاطر ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ لہٰذا اس سے بڑھ کر جاننے والا تو کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا پھر عورت کے مزاج میں جذبات کا عنصر غالب رکھا گیا ہے۔ اور جذبات ذہول و نسیان کا زیادہ سبب بنتے ہیں ــــ جذبات کا عنصر مرد میں بھی ہے لیکن اس کی جو نفسیاتی ساخت ہے اس میں یہ عنصر عورت کے مقابلے میں زیادہ قابو یافتہ نہیں ہوتا۔ اس موقع پر یہ بھی ذہن میں رکھئے کہ ؎

خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد!　　نہ ہر زن زن است و نہ ہر مرد مرد

آپ باقاعدہ جائزہ لینے بیٹھیں تو ہو سکتا ہے کہ بہت سے مرد عورتوں سے بھی زیادہ جذباتی آپ کو نظر آئیں اور بہت سی عورتیں آپ کو مردوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ سرد مزاج (COOL MINDED) مل جائیں۔ لیکن یہ استثنٰی (EXCEPTION) ہو گا۔ جب آپ اوسط AVERAGE کو سامنے رکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ مرد زیادہ متحمل مزاج ہے اور عورت میں جذبات کا عنصر غالب ہے ــــ اور یہ بھی درحقیقت ان فرائض منصبی سے بہت زیادہ مناسبت رکھنے والی چیز ہے۔ جو عورت کے ذمے کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے نسیان کا امکان و احتمال مرد کے بہ نسبت

عورت میں زیادہ ہے۔ چنانچہ اسی لئے شہادت کا نصاب دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہمارے دین نے مقرر کیا ہے۔ گویا اسلامی قانونِ شہادت میں مرد کی گواہی کے مقابلے میں عورت کی گواہی کو آدھا رکھا گیا ہے۔ یہ گواہی "پوری ایک" اس وقت شمار ہوگی جب دوسری بھی یہی گواہی دینے کے لئے موجود ہو ــــــ عورت کو اسلام نے ایک قانونی تشخص دیا ہے۔ یہ بھی اسلام کا عورت پر بہت بڑا احسان ہے۔ لیکن یہ معاملہ کہ وہ قانونی تشخص میں مرد کے مساوی ہو تو یہ بات نہیں ہے بلکہ اس میں فرق و تفاوت ہے جیسا کہ میں نے قرآن حکیم کے دو احکام کی مثالوں سے آپ کے سامنے واضح کیا ہے۔

قابلِ غور بات

اب معاشرتی و اجتماعی دائرے کے اندر مرد و زن کی بلا قید اور کامل مساوات کے قائلین کو سوچنا چاہئے کہ اس طرح تو ان کے نظریۂ مساوات اور اسلامی قوانین میں قدم قدم پر تصادم ہوگا۔ آپ اسلام کی کچھ پابندیوں کو فقہاء یا مُلّاؤں کا اسلام کہہ کر اس سے پہلوتہی کرنا چاہتے ہیں اور عورتوں کو مَردوں کے مساوی حقوق دینے کا نعرہ بلند کرتے ہیں تو ان قوانینِ صریحہ اور نصوصِ قطعیہ کے بارے میں آپ کیا رویہ اختیار کریں گے جن سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ وراثت اور قانونِ شہادت میں عورت کا تشخص مرد کے مقابلے میں آدھا کیا گیا ہے۔ ایک مردِ معقول کے لئے دو راستوں میں سے ایک راستہ اختیار کرنا ہوگا یا تو اس غلط نظریے سے تائب ہو کر سیدھے سیدھے خود کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت میں دیدے جیسا کہ قرآن ہر مومن مرد اور مومن عورت سے مطالبہ کرتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

(الاحزاب ۳۶)

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے میں کوئی فیصلہ دیدے تو پھر اسے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا۔"

مسلم کے معنی (جس سے لفظِ مسلمان بنا ہے اور ہمارے ہاں رائج ہے) ہی اللہ اور اس کے رسولؐ کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبرداری کے ہیں۔ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن مجید کے فارسی ترجمے میں " اسلام " کا ترجمہ گردن نہادند، کیا ہے۔ اب کسی شخص کا ایک طرف یہ اقرار کہ وہ مسلمان ہے دوسری طرف اس کا یہ اصرار کہ مرد و عورت کامل اور بلا قید مساوات کے حامل ہیں باہم متناقض ہیں کوئی ذی عقل انسان ان دو متضاد رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا۔ مسلمان رہنا ہو تو لازماً اللہ اور رسولؐ کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا ہوگا۔ دوسرا راستہ یہ ہے کہ جس شخص کے لیے شریعتِ الٰہی کی پابندیاں قابلِ قبول نہیں ہیں۔ تو وہ اسلام کے قلادے کو اپنی گردن سے اتارے اور پھر جس وادی میں چاہے بھٹکتا پھرے۔ ——— دنیا کے چلن کی پیروی اور زمانے کا ساتھ دینے کا رویہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ اپنے ہوائے نفس کی بندگی ہے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے ——— مردانگی یہ نہیں ہے کہ ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز! بلکہ اصل جوانمردی تو یہ ہے کہ ؎ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ ستیز!

عورت کی اہم حیثیتیں

اب آئیے عورت کی جو مختلف حیثیتیں ہیں، اس کے اعتبار سے دیکھیں کہ اسلامی تعلیمات کیا ہیں! عورت کی ایک حیثیت تو یہ ہے کہ وہ ماں ہے ——— اس معاملے میں تو واقعہ یہ ہے کہ والدین کے ساتھ حُسنِ سلوک، ان کے ادب و احترام اور معروف میں ان کی فرمانبرداری کے جو تاکیدی احکام قرآن و سنت نے دیئے ہیں اس کی کوئی نظیر آپ کو کسی بھی دوسرے مذہب یا نظامِ فکر میں نہیں ملے گی۔ سورہ البقرہ میں، سورہ النساء میں، سورہ الانعام میں، سورہ بنی اسرائیل میں، سورہ العنکبوت میں، سورۃ الاحقاف میں یہ احکام مختلف اسالیب سے آپ کو ملیں گے۔ متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ کے حق کے فوراً بعد والدین کے حق کا ذکر ہوتا ہے۔ مثلاً سورہ البقرہ میں فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

(البقرہ ۸۳)

"اور یاد کرو بنی اسرائیل سے جب ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ حُسنِ سلوک کرنا۔"

سورۃ الانعام میں فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ

اے نبیؐ! ان سے کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے رب نے تم

بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ج (۱۵۱)

پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں؟ یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

سورہ بنی اسرائیل میں فرمایا:۔

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ط (۲۳)

"اور تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی اور والدین کیساتھ نیک سلوک کرو۔"

سورہ لقمان میں شرک کی مذمت کے بعد فرمایا:

وَوَصَّیْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَیْہِ ج حَمَلَتْہُ اُمُّہٗ وَھْنًا عَلٰی وَھْنٍ وَّفِصٰلُہٗ فِیْ عَامَیْنِ اَنِ اشْکُرْلِیْ وَلِوَالِدَیْکَ ط (۱۴)

اور حقیقت یہ ہے کہ خود ہم نے انسان کو اپنے والدین کے حق کو پہچاننے کی تاکید ہے۔ اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھاتے ہوئے اور کمزوری پر کمزوری جھیل کر اسے اپنے پیٹ میں رکھا اور دو سال اس کے دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اسی لئے ہم نے اس کو نصیحت کی کہ میرا شکر کر اور اپنے والدین کا شکر بجالا"

عورت بحیثیت ماں

سورہ لقمان کی اس آیت کے اسلوب سے واضح ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ کے حق پر فائق ہے۔ اس اسلوب میں یہ حقیقت بھی مضمر ہے لہٰذا حدیث نے اس فوقیت کو واضح کر دیا کہ حسن سلوک کا یہ حق باپ کے مقابلے میں ماں کا کم سے کم تین گنا ہے۔ اور اللہ اور رسولؐ کے بعد سب سے زیادہ احترام و تکریم کی مستحق ماں ہے۔ چونکہ آنحضورؐ کا یہ فرض منصبی ہے کہ قرآن مجید کے مضمرات کی تبیین فرمائیں۔ ان کو کھولیں اور واضح کریں:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ

"(اے نبیؐ) اور اب یہ ذکر (قرآن) آپ پر نازل کیا گیا ہے تاکہ آپ اس

کی تشریح و توضیح کرتے جائیں جو
لوگوں کے لئے اتاری گئی ہے۔

چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث ہے:۔

سَأَلَ رَجُلٌ يَارَسُولَ اللهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِي قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوكَ

"ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار کون ہے! فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا: تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ اس نے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ"

پھر یہ حدیث تو بڑی مشہور اور بڑی عام ہے:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے"۔

صحیحین (بخاری و مسلم) کی ایک مزید روایت بھی سن لیجئے:۔

عَنِ الْمُغِيرَةِ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْاُمَّهَاتِ

"حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلاشبہ اللہ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی اور حق تلفی حرام کر دی ہے"۔

واقعہ یہ ہے کہ دوران حمل اور وضع حمل میں جو خاص تکلیف اور خاص مشقت عورت اٹھاتی ہے اور جس درد و کرب سے اسے سابقہ پیش آتا ہے اسکا تصور بھی مردوں کے لئے ممکن نہیں ہے یہیں یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کی جسمانی اور جذباتی و نفسیاتی ساخت میں درد و تکلیف کو جھیلنے اور برداشت کرنے کی مرد کے مقابلے میں صلاحیت و قوت بہت زیادہ رکھی ہے اس معاملے میں عورت مرد پر فضیلت رکھتی ہے۔ یہ جذبات کی شدت ہی ماما کا روپ دھارتی ہے۔ پھر یہ کہ عورت، ماں کے علاوہ بیوی، بیٹی اور بہن کی حیثیت سے بھی ٹوٹ کر محبت کرتی

ہے۔ پھر بچے کی رضاعت، اس کی نگہداشت اور تربیت میں ماں کو اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے، لہٰذا ان تمام اعتبارات سے احترام و تکریم، فرمانبرداری اور حسنِ سلوک کے معاملے میں ماں کے حقوق باپ کے مقابلے میں تین درجے مقدم رکھے گئے ہیں — اس موقع پر میں ایک اہم بات کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا۔ وہ یہ کہ ہمیں معروضی (OBJECTIVELY) طور پر سمجھنا چاہیئے کہ اسلام کا منشا کیا ہے۔ شریعت و قانونِ اسلام کا رجحان و میلان کیا ہے! یہ بات جان لیجئے کہ اسلامی قانون کے اعتبار سے اولاد باپ کی ہے، ماں کی نہیں ہے۔ طلاق اگر ہو جائے تو اولاد پر ماں کا کوئی قانونی استحقاق (CLAIM) نہیں ہے، وہ والد کی ہے۔ بلکہ سورہ البقرہ میں جہاں طلاق کی صورت میں رضاعت کے جو تفصیلی احکام آئے ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شیر خوار بچہ ہے تو بھی باپ کی مرضی پر موقوف ہے کہ اپنے بچے کی ماں سے جس کو وہ طلاق دے چکا ہے دودھ پلوائے اور رضاعت کے دوران عورت کے نان نفقہ کا پورا انتظام کرے۔ لیکن اگر باپ کی مرضی ماں سے دودھ پلوانے کی نہ ہو تو قانونی طور پر اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ماں سے بچہ لے اور اپنے طور پر اس کی رضاعت کا انتظام کرے۔ تو قانون کا معاملہ یہ ہے۔ اس کو اولیت کہہ لیں، اقدمیت کہہ لیں افضلیت کہہ لیں، وہ باپ کی ہے۔ لیکن حسنِ سلوک ادب احترام اور اخلاقی معاملے کو اس طرح متوازن (BALANCE) کیا گیا ہے کہ ماں کو تین درجے مقدم رکھدیا گیا۔ اور اس طرزِ عمل کے نتیجے میں جنت کی بشارت دی گئی — واقعہ یہ ہے کہ یہ ان چیزوں میں سے ایک چیز ہے کہ جن پر جب ہم غور کرتے ہیں تو قلبی یقین ہو جاتا ہے کہ شریعت کا مکمل قانون اللہ ہی کا دیا ہوا ہے۔ عقلِ انسانی اس طرح کے معاملات کو حل نہیں کر سکتی — قانونی اعتبار سے اگر مرد کو تشخص نہ دیا جائے تو خاندانی نظام ہمواری سے اور SMOOTHLY نہیں چل سکتا۔ اس میں خلل واقع ہو گا۔ اسکو بھی مضبوط رکھنا ہے۔ لیکن اگر قانونی اعتبار سے کسی کو زیادہ اختیار دے دیا گیا ہے تو اس کی تلافی کرنے اور متوازن رکھنے کا اخلاقی سطح پر پورا پورا اہتمام کیا گیا ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ نظامِ عدل و قسط کسی حکیم مطلق ہستی ہی کا تجویز کردہ ہے۔ کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

ہماری بہنوں کے لئے لمحۂ فکریہ

اس موقع پر میں عرض کروں گا کہ ہماری بہنوں کو جو مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں اور اس کی نقالی اور کورانہ پیروی ہی کو اپنے حق میں مفید گمان کرتی ہیں، ان کو ٹھنڈے دل اور سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے کہ جوانی کے بعد بڑھاپے کا بھی ایک دور آنے والا ہے۔ اگر مغربی تہذیب سے شیفتگی،

اور دلدادگی ہو گئی ہے تو ان کو یورپ اور امریکہ جا کر دیکھنا چاہیئے کہ وہاں بڑھاپے میں والدین کا حشر کیا ہوتا ہے۔ ان کی کسمپرسی کا کیا عالم ہے! وہاں جانے کے وسائل نہ ہوں تو ایسا لٹریچر موجود ہے جس کے مطالعے سے اس ذہنی کرب و اذیت کی تصویر ان کے سامنے آجائے گی۔ جس سے اس معاشرے کے والدین کو سابقہ پیش آتا ہے اور جس سے ان کا بوڑھاپا دوچار ہوتا ہے۔ ان کے سامنے یہ تلخ حقیقت آجائے گی کہ والدین کی تکریم و عزت، ان کی فرمانبرداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی کوئی رمق بھی اس معاشرے میں موجود نہیں ہے اور والدین کی رائے، پسند اور ان کی مرضی کو اس معاشرے میں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی جاتی۔ بیٹا اور بیٹی سینہ تان کر اپنے روز و شب کے بے راہ روی کے مشاغل پر بحث و تمحیص (ARGUE) کرتے ہیں۔ وہاں کوئی باپ یا ماں اپنی اولاد کے بے مہار معاشقوں (COURT SHIP) اور آزادانہ اختلاط پر کوئی نکیر نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی گرفت کریں گے تو منہ کی کھائیں گے۔ پھر ایک دور وہ بھی آتا ہے کہ والدین اولاد کی شکل دیکھنے کے لئے ترستے اور تڑپتے رہتے ہیں اور ان کا بوڑھاپا اس حسرت میں گزرتا ہے کہ اولاد کبھی آکر ان سے مل ہی لے۔

بوڑھے والدین خاص طور پر بوڑھی ماں کے لئے یہ بات سوہانِ روح ہے کہ ان کی اولاد بات کرنا تو درکنار صورت دکھانے کی بھی روادار نہیں۔ اور احساس تنہائی اس آخری عمر میں ان کی جان کا لاگو بنا رہتا ہے۔ ٹھیک ہے کہ وہاں ایسے بوڑھوں کے لئے جن کا گزر اوقات کے لئے ذاتی طور پر کوئی انتظام نہ ہو حکومت کی سطح پر ہوسٹلوں کا اہتمام کیا گیا ہے، ان کے لئے علیحدہ ادارے قائم کر دیئے گئے ہیں۔ جہاں ان کی دلبستگی کے لئے IN DOOR تفریحات مہیا کی جاتی ہیں ریڈیو اور ٹیلیویژن فراہم کئے جاتے ہیں لیکن ان تفریحات سے لطف اندوز ہونا شے دگر ہے اور اپنے بیٹے یا بیٹی کو دیکھنا ان سے باتیں کرنا بالکل دوسری بات ہے۔ اس کے لئے وہ ترستے اور تڑپتے رہتے ہیں۔ کم و بیش یہی حال خوش حال گھرانوں کے بوڑھے والدین کا ہے۔ کمیت کا فرق ہو تو ہو کیفیت و نوعیت میں کوئی فرق نہیں ——— اگر اس تہذیب کو اختیار کرنا ہے تو پھر ان نتائج کے لئے تیار رہنا چاہیے جو وہاں نکل چکے ہیں اور یہاں بھی نکل کر رہیں گے۔ وہاں جو نتائج نکلے ہیں ان کا وہاں جا کر بچشم سر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ کوئی محض نظری اور خیالی باتیں نہیں ہیں بلکہ حقائق ہیں جن کی تصدیق (VERIFICATION) مشکل نہیں ہے ——— اسی مساوات مرد و زن، کے نظریے کا ایک دلگداز (PATHETIC) منظر آپ کو وہاں یہ نظر آئے گا۔ کہ بسوں، ٹرام گاڑیوں اور ٹرینوں میں بوڑھی عورتیں کھڑے ہو کر سفر کرتی ہیں اور ان کے لئے کوئی

ہٹا کٹا جوان بھی سیٹ چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اگر "مساوات" ہے تو ٹھیک ہے جو پہلے آگیا اور سیٹ پر قابض ہو گیا تو آخر وہ کس بنیاد پر کسی عورت کے لئے خواہ وہ بوڑھی ہی کیوں نہ ہو اپنی سیٹ چھوڑے! ــــ ہاں اگر کوئی فلرٹ قسم کی نوجوان خاتون ہو تو شاید وہ اس کو اپنی سیٹ دے دے۔ لیکن ظاہر ہے اس کے پیچھے انسانی ہمدردی نہیں ہوگی بلکہ شیطانی جذبہ کارفرما ہوگا۔ ہماری جو بہنیں مغرب سے درآمد شدہ باطل نظریۂ مساواتِ مرد و زن کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر اس کی علمبردار بن کر سڑکوں پر مظاہرہ کرنے نکل آئی ہیں۔ ان کو اس فاسد نظریے کے ان نتائج کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے ــــ علامہ اقبال مرحوم نے آج سے تقریباً ساٹھ سال قبل اس مغربی تہذیب کو بہت قریب سے دیکھا تھا۔ اُس دور اور اِس دور میں نصف صدی سے بھی زیادہ طویل عرصہ حائل ہے۔ اِس وقت تو یہ تہذیب کہیں زیادہ "ترقی یافتہ اور آزاد خیال" ہے۔ اپنے دور کی تہذیب کی عکاسی علامہ مرحوم نے اپنے اشعار میں کی ہے اور ملت اسلامیہ کو اس سے حذر اور اجتناب کا پیغام دیا ہے مسلمان عورت کے لئے ان کے اشعار میں جو پیغام ہے اس کو اپریل کے میثاق کے شمارے میں شائع کر دیا گیا ہے۔ آپ علامہ مرحوم کے پیغام کو اس میں پڑھ سکتے ہیں۔ اشعار کا یہ انتخاب عالمِ اسلام کے جیّد مفکر و عالم مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی کی ایک تالیف سے لیا گیا ہے[1]۔ یہاں میں ان کا ایک شعر اور ان کے لیکچرز کا ایک ابتدائی جملہ آپ کو سناتا ہوں۔ علامہ مرحوم کہتے ہیں ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی ‏ ‏ ‏ یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اسی مفہوم کو انہوں نے اپنے lectures کے شروع میں ان الفاظ سے ادا کیا ہے

" THE DAZZLING EXTERIOR OF THE WESTERN CIVILIZATION "

یعنی "مغربی تہذیب کا چکا چوند ظاہر"

عورت بحیثیت بیٹی

اب ذرا دیکھئے کہ اسلام نے بحیثیت بیٹی، عورت کو کیا مقام دیا ہے۔! بعثتِ نبوی سے قبل کا عرب کا ماحول ذہن میں لائیے کہ بیٹی کی ولادت پر باپ کا کیا حال ہوتا تھا۔! بیٹی کی پیدائش کو وہ اپنے لئے ننگ و عار سمجھتا تھا اور لوگوں سے اپنا چہرہ چھپائے پھرتا تھا ــــ بالآخر اس کا یہ جھوٹا احساسِ شرمندگی اور ندامت اس کو اس شقاوت پر آمادہ کر لیتا تھا کہ وہ اس پھول سی بیٹی کو کسی گڑھے میں دبا اور اسے زندہ در گور کر دیتا تھا پھر اپنے اس بہیمانہ و ظالمانہ فعل پر فخر کرتا تھا۔ اُن کی اِس رسم

[1] یہ اشعار کتاب کے اختتام پر بطور ضمیمہ شامل ہیں (مرتب)

بدیں پر سورۃ التکویر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس انداز میں نکیر کی گئی ہے:۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝

"(قیامت کے دن کیا حال ہوگا) جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس قصور میں ماری گئی؟"

مزید براں اس وحشت ناک رسم کا چونکا دینے والے اسلوب سے سورۃ النحل میں یوں نقشہ کھینچا گیا:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ (۵۸-۵۹)

"جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کے چہرے پر سیاہی اور کلونس چھا جاتی ہے اور وہ بس خون کا سا گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے کہ اس خبر کے بعد کیا کسی کو منہ دکھائے، سوچتا ہے کہ ذلت کے ساتھ بیٹی کو لئے رہے یا مٹی میں دبا دے۔"

بعثت محمدی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بعد اسلام نے کس طرح اس صورت حال میں انقلاب برپا کیا ہے۔ اس کا نقشہ کتب احادیث و سیر میں دیکھئے۔ نبی اکرمؐ نے یہ تعلیم دی کہ بیٹی کا باپ ہونا ہرگز موجب عار نہیں ہے بلکہ موجب سعادت ہے۔ امام مسلمؒ نے اپنی صحیح میں حضرت انس ابن مالک رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کیا ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَنَا وَهُوَ كَهَاتَيْنِ وَضَمَّ اَصَابِعَهٗ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی۔ یہاں تک کہ وہ بلوغ کو پہنچ گئیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اس طرح آئیں گے جیسے میرے ہاتھ کی دو انگلیاں ساتھ ساتھ ہیں۔"

حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی اکرمؐ نے اس ارشاد کے موقع پر اپنی انگشت شہادت کو ساتھ والی انگشت سے ملا کر دکھایا ــــ صحیح مسلم ہی میں یہ روایت بھی ہے :۔

مَنِ ابْتُلِیَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَیْءٍ فَاَحْسَنَ اِلَیْھِنَّ کَانَ لَہٗ سِتْرًا مِنَ النَّارِ۔

"جس کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوں اور وہ ان کی اچھی طرح پرورش کرے تو یہی لڑکیاں اس کے لئے دوزخ سے آڑ بن جائیں گی۔"

کہاں وہ عالم کہ وہ معاشرہ بیٹی کا باپ ہونا باعث ننگ و عار اور شرم سمجھتا تھا کہاں یہ عالم کہ اس معاشرے میں یہ بات دلوں میں راسخ ہو گئی کہ اگر بیٹیوں کی خوش دلی کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ پرورش کرتا ہے تو اس کے لئے قیامت میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور نارِ جہنم سے رستگاری کی بشارت اور نوید ہے ــــ پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹیاں دیں۔ ایک نہیں چار بیٹیوں کا باپ بنایا۔ بیٹے دیئے بھی ہیں تو ان کو بالکل نوعمری ہی میں لے بھی لیا گیا ہے ــــ میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بھی ایک حکمت ہے وہ یہ کہ نبی اکرمؐ کا اسوہ اس اعتبار سے ان لوگوں کے لئے "مرہم" اور موجبِ اطمینان بن جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا نہ دیا ہو اور صرف بیٹیاں ہی دی ہوں۔ ان کے دل میں بیٹوں کی حسرت ہو تو وہ دیکھ لے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو چار بیٹیوں کے باپ تھے

اس میں اور بھی حکمتیں ہوں گی وَاللہُ اَعْلَمُ۔ یہاں ان کا احاطہ یا استقصاء یا احصاء مقصود نہیں ہے ــــ جب آپ کے صاحبزادے حضرت قاسم کا بچپن میں انتقال ہو گیا اور اولاد ذکور نہ رہی تو مشرکین مکہ نے طعنہ دیا تھا کہ محمدؐ تو (معاذ اللہ) ابتر ہو گئے۔ ان کی تو جڑ کٹ گئی۔ کیونکہ خاندان تو بیٹوں ہی سے آگے چلتا ہے۔ اس پر سورۃ الکوثر میں یہ وعید آئی !

اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ "بلاشبہ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے"

ــــ آپ کو تو اے نبیؐ الکوثر "خیر کثیر" عطا کیا ہے۔ جس سے یہ بھی مراد لی جاسکتی ہے کہ نبی اکرمؐ کی معنوی اور روحانی اولاد اتنی ہوگی کہ آسمان کے تاروں اور زمین کے ریت کے ذرّوں کی طرح گنی نہ جاسکے گی۔ دشمنوں کے اس طعنے کا جواب وہ رویہ ہے کہ چاروں بیٹیوں کو آں حضورؐ نے نہایت محبت و شفقت کے ساتھ پرورش فرمایا ہے اور ان سے آپؐ کو جو انس تھا وہ سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ کرنے والے ہر قاری کو معلوم ہوگا۔ خاص طور آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت

فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، جو محبت تھی اس کا یہ عالم تھا کہ جب وہ شادی کے بعد آنحضورؐ کی خدمت میں آتی تھیں تو نبی اکرمؐ ان کے لئے کھڑے ہو جایا کرتے تھے، ان کے لئے جگہ چھوڑ دیتے تھے، اپنی چادر انؓ کے لئے بچھاتے تھے اور بااصرار اس پر انؓ کو بٹھاتے تھے ـــــ پھر آپؐ اپنی بیٹیوں کے لئے "بضعۃ منّی" یعنی میرے جگر کا ٹکڑا، کے الفاظ استعمال فرماتے ہیں ـــــ بیٹیوں کے ساتھ محبت و شفقت اور عزت و احترام کا معاملہ جناب حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عملاً کر کے دکھایا ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں یہ حکمت ہے کہ پوری دنیا کو معلوم ہو جائے کہ بیٹیوں کا وجود ہرگز موجبِ شرم نہیں ہے۔ نبی اکرمؐ کے اس طرزِ عمل نے بیٹی کو ذلّت و خوار کے مقام سے اٹھا کر اس عزت و احترام کے مقام بلند پر فائز فرما دیا جس کی نظیر تو درکنار ہلکی سی جھلک بھی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ہے۔ بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ عورت کو سراپا شر ہی شر سمجھا گیا ہے، جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ پھر اپنی تین پیاری بیٹیوں کی شادیوں کے لئے ان حضرات کا انتخاب فرمایا جو بنی نوعِ انسان کے گل سرسبد تھے۔ یعنی حضرات عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ بڑی بیٹی کا بعثت سے قبل جن صاحب سے نکاح کیا تھا وہ بھی دولت اسلام اور صحابیت کے شرف سے مشرف ہوئے میری مراد حضرت ابوالعاصؓ ابن ربیع لقیط سے ہے ـــــ ہماری وہ بہنیں جو مغربی تہذیب کی چکا چوند سے جس کی اصل حیثیت سراب سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ ذرا تقابل تو کریں اس مقام کا جو اسلام نے بیٹی کو دیا مغربی تہذیب کے دیئے ہوئے مقام کے ساتھ۔ وہاں جب بیٹیاں بالغ ہو جاتی ہیں تو ان کو عموماً گھر سے نکال دیا جاتا ہے۔ ان سے کوئی سروکار نہیں رکھا جاتا کہ وہ کس حال میں ہیں۔ یہ ان کا ذاتی معاملہ ہے۔ اب وہ خود کمائیں اور کھائیں اپنے لئے خود شوہر تلاش کریں، جتنے چاہیں COURT SHIP کریں، والدین کو اس سے کوئی غرض نہیں۔ جب بیٹیوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے تو قیاس کر لیجئے کہ بیٹوں کے ساتھ کیا کچھ نہ ہوتا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ اور امریکہ میں آزادانہ جنسی اختلاط عام ہے اور معاشقے کی شادیوں کا انجام اکثر طلاق پر منتج ہوتا ہے۔ پھر اسی صورتِ واقعہ کا نتیجہ اس سلوک کی شکل میں برآمد ہوتا ہے جو اس معاشرے میں بوڑھے والدین کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ جس کا میں ذکر کر چکا ہوں۔

عورت بحیثیت بیوی

اب آئیے عورت کی تیسری حیثیت کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کی طرف جو اس کے بیوی ہونے کے اعتبار سے ہے

جس طرح میں نے آپ کو والد اور والدہ کے متعلق بتایا کہ قانون کے معاملے میں والد کو اور حسنِ سلوک کے معاملے میں والدہ کو فوقیت حاصل ہے۔ یہی صورت حال ہمیں اسلام کے عائلی نظام میں شوہر اور بیوی کے معاملے میں نظر آتی ہے۔ قانونی اعتبار سے مرد کو عورت پر حاکم بنایا گیا اور غلبہ دیا گیا ہے۔ میں نے لفظ حاکم جان بوجھ کر استعمال کیا ہے۔ چونکہ امرِ واقعہ یہی ہے کہ اسلام نے شوہر کو عائلی نظام میں حاکمیت کے مقام پر فائز کیا ہے اور قرآن نے اس کے لئے لفظ 'قوّام' استعمال کیا ہے۔ ماہرینِ لغتِ عربی نے اس لفظ کو راعی، محافظ، حاکم اور کفیل کے معانی اور مفاہیم کا حامل بتایا ہے۔ لہٰذا اس لفظ 'قوّام' کا صحیح مفہوم و مطلب ہوگا وہ شخص جو کسی فرد یا ادارے یا نظام کے معاملات کو صحیح و درست طور پر چلانے اور اس کی حفاظت و نگہداشت کرنے اور اس کی احتیاجات و ضروریات مہیا کرنے کا ذمہ دار ہو۔

— قرآن نے سورہ النساء کی آیت نمبر ۳۴ میں یہ اٹل، مستقل اور غیر متبدل اصول بیان فرما دیا ہے کہ :-

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ — "مرد عورتوں پر قوّام ہیں۔"

مراد ہیں شوہر اور بیوی۔ آیت کا سیاق اور سباق اسی پر دلالت کرتا ہے۔ اس اصل قانون کی علت اور حکمت کو اسی آیت میں آگے بیان کیا گیا ہے۔ جس پر میں ان شاء اللہ آگے گفتگو کروں گا۔ یہاں میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں قانونی طور پر مرد کو حاکم بتایا گیا ہے وہاں اخلاقی سطح پر اپنی بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی تاکید فرمائی ہے کہ اس مختصر سے وقت میں تمام احادیث سنانا میرے لئے ممکن نہیں۔ میں چند احادیث پیش کرنے پر اکتفا کروں گا تاکہ آپ کے سامنے وہ توازن آجائے جو اخلاقی حیثیت سے نبی اکرم ﷺ نے قائم فرمایا ہے تاکہ قانونی طور پر حاکم ہونے کی حیثیت سے مرد بیویوں پر تعدّی اور زیادتی سے اجتناب کریں۔ ایک حدیث مسلم شریف میں ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَمْرِو ابْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ — "عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلدُّنْیَا کُلُّہَا مَتَاعٌ وَخَیْرُ مَتَاعِ الدُّنْیَا الْمَرْأَۃُ الصَّالِحَۃُ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا کُل کی کُل برتنے کی چیز ہے اور اس دنیا کی بہترین متاع نیک عورت (بیوی) ہے۔"

یعنی لوگو! جان لو کہ اس دنیا کی زندگی کے گزارنے اور برتنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دی ہیں، ان میں سب سے بڑی نعمت نیک بیوی ہے۔ قدر و قیمت کے تعین کا یہ انداز سبحان اللہ! دنیا میں انسان کو بہت سی چیزیں مرغوب ہوتی ہیں اور ان سے دلی لگاؤ ہوتا ہے۔ مال ہے، دولت ہے، جائیداد ہے، جاہ و حشمت ہے، وجاہت ہے، بیٹے ہیں، بیٹیاں ہیں۔ ماں باپ اور اعزہ و اقارب ہیں، یہ سب کچھ اپنی جگہ پر لیکن دنیا کی ان تمام چیزوں میں سب سے زیادہ قابلِ قدر اور قیمتی شے جو اللہ تعالیٰ کسی بندے کو عطا فرمایا ہے وہ نیک اور صالح بیوی ہے۔ ترمذی میں روایت ہے:-

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْمَلُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِیْمَانًا اَحْسَنُھُمْ خُلُقًا وَخِیَارُکُمْ خِیَارُکُمْ لِنِسَائِکُمْ

"حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کامل ایمان والا وہ ہے جو اخلاق میں اچھا ہو اور تم سے بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنی عورتوں کے حق میں بہترین ہوں!"

ترمذی ہی میں ایک روایت آئی ہے۔

عَنْ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ وَاَنَا خَیْرُکُمْ لِاَھْلِیْ:

"حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:- (لوگو! جان لو کہ) تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو (اور جان لو کہ تم میں سے سب سے بہتر اپنے گھر والوں

سے حُسنِ سلوک کرنیوالا میں خود ہوں۔"

ایک روایت میں جو سنن ابی داؤد میں ہے، اسی بات کو ایک منفی اسلوب سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمایا۔ لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور خطبہ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ طَافَ اللَّيْلَةَ بِآلِ مُحَمَّدٍ سَبْعُونَ امْرَأَةً كُلُّ امْرَأَةٍ تَشْتَكِي زَوْجَهَا فَلَا تَجِدُونَ أُولَئِكَ خِيَارَكُمْ

"آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر والوں کے پاس ستر عورتوں نے چکر لگایا ہے۔ ہر عورت اپنے شوہر کی شکایت کر رہی تھی (میں تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ) جن لوگوں کی شکایت آئی ہے وہ تم میں اچھے لوگ نہیں ہیں۔"

یعنی جن شوہروں نے اپنی بیویوں سے ایسا سلوک روا رکھا ہوا ہے جس پر وہ شاکی ہیں اور جس سے ان کا قلبی اطمینان جاتا رہا ہے تو وہ لوگ اچھے لوگوں میں سے نہیں ہیں۔ اس اصول کی آنحضورؐ نے تعلیم دی۔ ظاہر بات ہے کہ شکایت صحیح ہے یا غلط اس کا فیصلہ تو فریقین کے بیانات کے بعد ہی لگایا جا سکتا ہے اس لئے آنجنابؐ نے تربیت کے لئے بطور سرزنش لوگوں کو متنبہ فرما دیا ــــــ یہ بات ماننی پڑتی ہے جیسے کہ مجھے آج ہی ایک خاتون کا رقعہ ملا ہے کہ آج ہمارے معاشرے میں بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک کا پلڑا ہلکا ہو گیا ہے۔ شوہر اپنی قوامیت کے مظاہرے کے لئے تو ہر وقت آمادہ نظر آتے ہیں لیکن حُسنِ سلوک کے معاملے میں تہی دست ہیں۔ یہ معاملہ صحیح نہیں ہے۔ اِصلاح طلب ہے۔ اور یہ اصلاح خاندان کے ادارے کو مضبوط اور خوشگوار بنانے کا باعث بنے گی ــــ دینی گھرانوں میں یا ان گھرانوں میں جو قدامت پسند ہیں، چاہے دینی نہ بھی ہوں ان کے ہاں قدیم روایات چل رہی ہیں جو دین کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی خاندانی یا قبائلی روایات پر ایک نظام و رواج چل رہا ہے۔ ایسے خاندانوں میں یہ تقصیر نظر آتی ہے کہ اہل وعیال کے ساتھ جس حُسنِ سلوک کی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تلقین فرمائی ہے اس کا فقدان ہے۔ تو اس کمی کا ہمیں اعتراف کرنا چاہیئے اور یہ بھی محسوس کرنا چاہیئے کہ ایسے دینی اور روائتی خاندانوں کے غلط طرزِ عمل کی وجہ سے ان کی خواتین میں اگر کوئی رد عمل پیدا ہو جائے تو اس کی

ذمہ داری ان پر آئے گی۔ اگر ایسے لوگوں نے اپنی خواتین پر زیادتی کی ہے۔ ان کے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے۔ ان کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ ان کے اس قانونی تشخص کی حق تلفی کی ہے۔ ان کے ان اخلاقی حقوق کی جو اللہ نے دیئے ہیں، رعایت اور پاسداری نہیں کی ہے تو ان وجوہ سے خواتین کے ردِ عمل اور اس سے جو برائی جنم لے گی اللہ کی عدالت میں اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر آئے گی جو اپنے طرزِ عمل کو اس تعلیم و تلقین کے مطابق نہیں رکھ رہے ہیں جو کتاب و سنت اور شریعت نے دی ہے ــــــ یہ تو ایک ضمنی گفتگو تھی۔ اب آیئے اصل موضوع کی طرف ــــــ میں عرض کر رہا تھا کہ خاندان کے ادارے کو مستحکم کرنے کے لئے اسلام نے مرد کو برتری اور فضیلت عطا کی ہے۔ اور اس کے لئے قرآن مجید میں لفظ 'قوّام' استعمال ہوا ہے۔ اس سطح پر آکر مرد اور عورت ہرگز مساوی نہیں ہیں۔ اس معاملے میں مساوات کا تصور عقل کے بھی بالکل خلاف ہے۔ اس لئے کہ خاندان دراصل ایک انتظامی ادارہ (UNIT) ہے اور کسی بھی انتظامی ادارے میں مساوی اختیارات کے حامل سربراہ دو نہیں ہو سکتے۔ یہ ممکن ہی نہیں قطعی ناقابل عمل بات ہے آپ پورے انسانی تمدن کا جائزہ لے لیجئے۔ بڑے سے بڑے اور چھوٹے سے چھوٹے ادارے کو سامنے رکھ لیجئے، اور دیکھ لیجئے کہ کیا کوئی ایسا ادارہ موجود ہے کہ جس کے سربراہ دو ہوں اور بالکل مساوی اختیارات رکھتے ہوں۔ بالفرض کہیں یہ حماقت کی گئی ہو تو پھر وہ ادارہ صحیح طور پر اپنا کام انجام نہیں دے سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔ محالِ عقلی ہے۔ لہٰذا اگر یہ مقصد پیشِ نظر ہو کہ خاندان کے ادارے کو مستحکم کیا جائے، مضبوط بنایا جائے جیسا کہ اسلام چاہتا ہے اور اس کا عین منشا ہے۔ تو ظاہر بات ہے کہ قانون اور اختیار دونوں اعتبارات سے خاندان میں کسی ایک فرد کو برتری دینی ہوگی، اس کے بغیر خاندان کا ادارہ نہ مستحکم ہو سکتا ہے اور نہ وہ وظیفہ انجام دے سکتا ہے جو اس کے ذمہ ہے۔ قرآن حکیم سے واضح ہوتا ہے کہ تین اساسات اور تین بنیادوں کی وجہ سے یہ برتری اور یہ اختیار مرد کو حاصل ہے۔ اس ضمن میں، چند آیات ایک خاص تدریج و ترتیب کیساتھ میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ آپ سے درخواست ہے کہ ان پر خصوصی توجہ مرکوز رکھیں ــــــ

پہلی اساس آپ کو معلوم ہے کہ اسلامی شریعت کا جو بنیادی خاکہ (BLUE PRINT) ہے وہ ہمیں سورۃ البقرہ میں ملتا ہے۔ وہاں ہمیں آیت نمبر ۲۲۸ کے آخری حصے میں یہ اساس ملتی ہے۔ فرمایا:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ "عورتوں کے لئے بھی معروف طریقے

وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ (ترجیح کا) حاصل ہے اور (سب پر) اللہ غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا موجود ہے۔"[1]

حقوق و فرائض کا ایک توازن بھی اس آیت میں بیان ہو گیا اور مرد کی ترجیح و نفضیلت اور درجہ بندی بھی ظاہر ہو گئی۔ ساتھ ہی یہ تنبیہہ بھی کر دی گئی کہ حقوق و فرائض کے ضوابط کی صحیح ادائیگی کی نگرانی کے لئے وہ ہستی موجود ہے جو العزیز (غالب و زبردست) ہے اور جس نے کامل حکمت کے ساتھ یہ درجہ بندی کی ہے۔ لام اور علیٰ کے حروف جار کے متعلق میں کئی بار عرض کر چکا ہوں کہ 'لام' آتا ہے کسی کے حق میں کوئی چیز اور علیٰ کسی کے خلاف جانے یا کسی پر عائد ہونے والی کسی چیز' تو فرائض کو تعبیر کیا جائیگا 'علیٰ' سے۔ یہ فریضہ مجھ پر عائد ہوتا ہے اور حق کی تعبیر کیلئے 'لام' آئے گا۔ یعنی یہ میرا حق ہے۔ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ جیسے کچھ ان کے فرائض ہیں جو ان (عورتوں) پر عائد کئے گئے ہیں۔ اسی کی مناسبت سے شریعت اسلامی نے معروف طور پر ان کو حقوق بھی عطا کئے ہیں، لیکن ایک اصول یہ بھی بتا دیا گیا: وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ یہ بات

---

[1] مرد و زن کی مساوات کی جو بحث آج کل اخبارات میں چل رہی ہے۔ اس میں اس دور کی چند "مفسرات قرآن" نے اس آیت کے صرف اس حصے "وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ" کو بنیاد بنا کر اس بات پر پورا زور استدلال صرف کیا ہے کہ قرآن تو مرد و عورت کی مساوات کا قائل ہے۔ یہ تو رجعت پسند لوگوں کی من گھڑت تاویل ہے کہ مرد کو عورت پر بالادستی حاصل ہے۔ ان "مفسرات" کو آیت کا اگلا حصہ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ قرآن میں نظر نہیں آیا۔ یہ بالکل اسی نوع کی جسارت ہے جیسے کوئی بدبخت 'لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ' سے یہ استدلال کرے کہ قرآن تو نماز کے قریب جانے سے منع کرتا ہے اور 'اَنْتُمْ سُكٰرٰى' والے حصے کو چھوڑ دے۔ ایسی جسارت اس معاملے میں بھی کی گئی ہے کہ اگلے حصے 'وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ' "اور مردوں کو عورتوں پر ترجیح حاصل ہے" کو چھوڑ کر مرد و زن کے کامل مساوات کے نظریے کو قرآن سے منسوب کیا گیا ہے۔ یہ اللہ کی کتاب کیساتھ بہت بڑی گستاخی ہے جو تجدد پسند اور مغرب کے ذہنی غلاموں کی طرف سے کیجا رہی ہے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا (مرتب)

جان لو کہ مردوں کو ان (عورتوں) پر ایک درجہ فضیلت کا حاصل ہے"، گویا یہاں پیشگی ایک ایک رہنما اصول (DIRECTIVE PRINCIPLE.) بیان کر دیا گیا۔ جیسے آپ کو معلوم ہوگا کہ شراب اور جوئے کے معاملے میں سورہ البقرہ میں پہلا اصول یہ بیان ہوا ہے کہ :-

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ط قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ط (۲۱۹)

"اے نبیؐ! یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھ رہے ہیں تو ان سے کہہ دیجئے کہ ان میں کچھ منفعتیں بھی ہیں لیکن ان میں گناہ اور برائی کا عنصر منفعتوں سے زیادہ ہے"۔

بات یہیں چھوڑ دی۔ ابھی حرمت کا حکم نہیں دیا گیا۔ لیکن ایک سمت (DIRECTION) معین ہو گئی کہ بات کس طرف جا رہی ہے، ہوا کا رخ کیا ہے! ___ اسی طریقے سے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۲۲۸ میں ہوا کا رخ متعین کر دیا کہ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ "جان لو کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت کا حاصل ہے ___ سورہ النساء کی آیت نمبر ۳۲ میں یہ مضمون زیادہ واضح ہو کر آتا ہے۔ جس کا ایک حوالہ میں پہلے بھی دے چکا ہوں۔ یہاں فضیلت کا فلسفہ اس اسلوب سے ہمارے سامنے آتا ہے کہ :

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ط

"اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر جو فضیلت دی ہے اس کی تمنا نہ کرو!"

تمام قدیم و جدید مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں حتمی اور قطعی طور پر وہ فضیلت مراد ہے جو اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر عطا فرمائی ہے۔ اسی آیت کا اگلا حصہ اس کو صراحت کے ساتھ کھول دیتا ہے کہ

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ط

"مردوں کے لئے ان کی کمائی میں حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی میں سے حصہ ہے"۔

یعنی نیکی اور بدی کمانے کے دونوں کو مواقع حاصل ہیں۔ تمنا کا کچھ حاصل کچھ نہیں ہوگا۔ سوائے اس کے کہ انسان پیچ و تاب کھلائے اور اس کی صلاحیت ضائع ہو۔ اس تمنا کی کوئی

PRODUCTIVE حیثیت نہیں ہوگی۔ یہ محض ضیاع ہوگا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے تخلیق میں مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے تو اُسے کھلے دل سے تسلیم کیجیے۔ اس کی تمنا کرنے اور اس پر پیچ و تاب کھانے کے بجائے اس بات کو مستحضر رکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو صلاحیتیں، توانائیاں اور قوتیں دی ہیں اور مجھ پر جو فرائض و حقوق عائد کیے ہیں۔ آخرت میں میرا محاسبہ اس کے اعتبار سے ہوگا۔ انسان کی یہ طبعی کمزوری ہے کہ وہ فضیلت کے معاملے کو آسانی سے قبول نہیں کرتا۔ مردوں کو عورتوں پر بحیثیت مجموعی فضیلت ہے تو اس کے بارے میں عورتوں میں کہتری کا احساس کا پیدا ہونا فطری ہے۔ اس کے ازالے اور علاج کے لئے فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝

اس آیت کا آخری حصہ انتہائی قابلِ غور ہے۔ یہ فضیلت اللہ کی دی ہوئی ہے جو ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اس نے یہ فضیلت معاذ اللہ لاعلمی میں نہیں دی ہے۔ ایسے ہی اٹکل پچو نہیں دے دی بلکہ علم کامل اور حکمت بالغہ کی بنیاد پر دی ہے ــــــ آگے سورۃ النساء کی آیت ۳۴ میں یہ بات واشگاف طور پر کھول دی اور DECLARE کر دی جاتی ہے اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ۔ قرآن حکیم کے اسلوب کو پہچانیے، پہلے ایک سمت سورہ بقرہ کی آیت ۲۲۸ میں متعین فرمائی گئی۔ پھر ذہنوں کو تیار کرنے کے لئے سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۲ میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جس پر فوقیت اور فضیلت دے دی ہے اس کو خوش دلی سے تسلیم (RECONCILE) کرنا چاہیئے۔ اس پر رشک کرنے اس کی تمنا کرنے اور اس پر شکوہ و شکایت کرنے کے بجائے اس پر راضی برضا ہو کر اپنے طرزِ عمل کو درست کیا جانا چاہیئے۔ اس کے بعد ایک اٹل، دائمی اور ابدی ضابطہ بیان فرما دیا گیا۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ	"مرد عورتوں پر قوام ہیں۔ اس سبب سے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔"
(النساء آیت ۳۴ کا پہلا جزو)	

تفصیل کے لئے وہی الفاظ معمولی سے فرق کے ساتھ یہاں بھی آ گئے جو آیت نمبر ۳۲

میں آئے تھے ـــــ قوّام کے لفظ کی کچھ تشریح میں پہلے کر چکا ہوں۔ یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ لفظِ قائم سے مبالغے کا صیغہ ہے، جیسے فاعل سے فعّال۔ اس مبالغے کی وجہ سے قائم (کھڑا ہونے والا) کے مفہوم میں بے نہایت وسعت پیدا ہو گئی۔ اس میں محافظت اور حاکمیت کی حیثیت سے کھڑے ہونے کے معنی بھی شامل ہو گئے۔ اس قوّام کے لفظ نے مرد کی حیثیت نگران و نگہبان اور حاکم کی بھی قرار دے دی۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے کہ ع نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد ـــــ اس قوّامیت کی ایک بنیاد کو بھی بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ کے الفاظ سے بیان کر دیا۔ ایک تو تخلیقی فضیلت ہے جو اللہ نے مردوں کو عورتوں پر دی ہے۔ ان کو جسمانی قوت زیادہ دی ہے۔ ان میں توانائی دی ہے۔ ان میں بھاگ دوڑ کی صلاحیت زیادہ ہے۔ ان میں اختراع و ایجاد کا جوہر زیادہ ہے۔ ان میں حکمرانی و جہانبانی کا حوصلہ و ولولہ زیادہ ہے۔ ان کی فطرت میں جنگ و جدال کا داعیہ زیادہ ہے۔ ان میں عزیمت کا وصف زیادہ ہے۔ معاشی جد و جہد اور محنت و کوشش کا مادّہ زیادہ ہے۔ ان میں فاعلیت زیادہ ہے۔ لہٰذا ان اوصاف اور صفات کی وجہ سے انہیں عورتوں پر قوّام بنایا گیا ہے اور اس قوامیت کے تمام لوازم ان کے سپرد کئے گئے ہیں۔ وہ خاندان کے ادارے کے حاکم، محافظ اور نگہبان ہیں۔ دین و اخلاق کے معاملات کی نگرانی کے ذمہ دار بھی وہی ہیں: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا۔ بیوی اور بچوں کی کفالت اور خاندان کی ضروریاتِ زندگی کی فراہم رسانی کی ذمہ داری بھی ان پر ہے۔ لہٰذا ان کی بیویوں اور بچوں پر ان کی اطاعت فرض ہے (بشرطیکہ وہ اللہ اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا حکم نہ دے)۔ اسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

اَلرَّجُلُ رَاعٍ عَلٰٓی اَھْلِہٖ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ۔	مرد اپنے اہل و عیال پر حکمران و نگران ہے اور وہ اپنی رعیت میں اپنے عمل پر وہ اللہ کے سامنے جوابدہ ہے

اس حدیث کو امام بخاریؒ نے قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا کی تفسیر میں روایت کیا ہے ـــــ اور یہ حدیث تو بہت مشہور اور عام ہے اور میرا حسنِ ظن ہے کہ آپ میں سے اکثر حضرات نے اسے سنا ہو گا کہ:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ۔ تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے دائرۂ اختیار و اثر میں) راعی و نگران و حکمران ہے اور تم میں سے ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں (اللہ کے ہاں) جواب دہ ہے۔"

اللہ نے اپنی فیض بخشیوں سے مرد کو اگر ان پہلوؤں سے زیادہ نوازا ہے جن کا میں نے ابھی ذکر کیا تو عورت کو چند دوسرے پہلوؤں سے مالا مال کیا ہے۔ اس میں مرد کی تخلیق و ایجاد کے ثمرات و نتائج کو سنبھالنے کا سلیقہ اور ہنر عطا فرمایا ہے۔ اس کو گھر بنانے اور گھر بسانے کی قابلیت بخشی ہے۔ اس میں گھر گرہستی کے کاموں، بچوں کی پرورش و نگہداشت اور گھریلو امور سے ایک فطری مناسبت ودیعت کی ہے۔ اس کے اندر دل کشی، دلربائی، شیرینی اور حلاوت کا جمال رکھا ہے۔ خاندان کی اندرونی تنظیم میں اسے گھر کے حاکم کی ملکہ کا مقام عنایت کیا ہے۔ کسبِ معاش کی ذمہ داری شوہر پر رکھی ہے تو اس کمائی سے گھر کا انتظام کرنا اس کے ذمہ لگایا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سورہ التحریم کی آیت، قُوا انفسکم واھلیکم نارا" کی تفسیر میں صحیح بخاری میں یہ قول بھی منقول ہے۔

اَلْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهَا عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کیلئے جواب دہ ہے۔"

یہ خالق و فاطرِ کائنات کی خلاقی کا کمال ہے کہ اس نے اگر مرد میں فاعل و فعالیت کی صلاحیت رکھی ہے تو عورت کو منفعل و انفعال کی اہلیت سے نوازا ہے۔ فعل و انفعال دونوں اس کارخانہ ہستی اور کارگاہِ حیات کو چلانے کے لئے یکساں ضروری ہیں۔ دونوں کا اپنی اپنی جگہ اور اپنے اپنے دائرہ عمل میں ایک اہم مقام ہے۔ اب اگر یہ دونوں ایکدوسرے کے دائرہ عمل اور حدود کار میں بے جا مداخلت کریں گے یا ایک دوسرے کے قدرت کے تفویض کردہ امور کے بارے میں چھینا جھپٹی کریں گے تو تمدن میں فساد اور بگاڑ پیدا ہوگا اور یہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے قدرت کی تقسیم کار کے خلاف بغاوت ہوگی جس کے مہلک نتائج بنی نوع انسان نے پہلے بھی بھگتے ہیں اور اب بھی بھگت رہی ہے۔ ایسے مردوں اور عورتوں پر لعنت کی گئی ہے جو ایک دوسرے کی ریس اور نقالی کی روش اختیار کرتے ہیں۔

سنن ابی داؤد کی دو روایتیں اس مفہوم کو سمجھنے میں انشاء اللہ کفایت کریں گی۔ پہلی روایت ہے :-

لَعَنَ الْمُتَشَبِّهَاتِ مِنَ النِّسَآءِ بِالرِّجَالِ

"رسول اللہ نے ان عورتوں پر لعنت کی جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں۔"

دوسری روایت ہے :

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الرَّجُلَ يَلْبَسُ لِبْسَةَ الْمَرْاَةِ وَالْمَرْاَةَ تَلْبَسُ لِبْسَةَ الرَّجُلِ۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت کی ہے جو عورت کا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مرد کا لباس پہنے"۔

دوسری اساس

عورت پر مرد کو قوّام بنانے اور فضیلت حاصل ہونے کی دوسری اساس سورہ النساء کی اسی آیت میں آگے ان الفاظ میں بیان ہوئی :

وَبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ

"اور یہ (قوّامیت وفضیلت) اس سبب اور بنا پر (بھی) ہے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں"۔

اس آیت کا یہ حصہ اس بات پر قطعی دلیل ہے کہ خاندان (بیوی بچوں) کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ نان نفقہ اس کے ذمہ ہے۔ عورت پر یہ بار نہیں ڈالا گیا۔ مہر مرد ادا کرتا ہے۔ عورت پر یا عورت کے خاندان پر اس قسم کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ شادی کی خوشی میں دعوتِ ولیمہ کرنا لڑکے والوں کے ذمے ہے۔ لڑکی والوں پر اس قسم کا کوئی بوجھ نہیں۔ تمام سامانِ امورِ خانہ داری کی فراہمی بھی لڑکے یا اس کے خاندان والوں پر ہے۔ لڑکی والے اس سے بَری ہیں[1]۔

اب دو اساسات جمع ہو گئیں۔ ایک تخلیقی تفضیل ہے جو اللہ نے مرد کو دی ہے۔ جو مرد کی تخلیقی و نفسیاتی ساخت اور فطرت میں مضمر ہے۔ دوسری یہ کہ اسلام نے جو عائلی نظام بنایا ہے اس میں کمائی اور معاشی کفالت کا تمام بوجھ مرد کے کاندھوں پر ڈالا گیا ہے۔ لہٰذا ان دو بنیادوں پر مرد کی

---

[1] جہیز اور بارات کے طعام کی جو رسوم ہمارے معاشرے میں رائج ہیں۔ ان کا اسلام سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔ یہ رسوم اپنی روح اور عمل دونوں اعتبارات سے خالص ہندوانہ ہیں (مرتب)

قوامیت کو استوار کیا گیا ہے۔ اب بات یہاں تک واضح ہوگئی کہ مرد عورتوں پر قوام ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک (مرد) کو دوسرے (عورت) پر فضیلت دی ہے اور اس سبب سے کہ مرد اپنے مال خرچ کرتے ہیں، اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ ـــــ سورہ النساء کی آیت نمبر ۳۴ اور اس آیت مبارکہ نمبر ۳۴ کے آغاز میں مذکور۔ ان دو اہم مضامین کی تشریح و تفسیر اور ان پر تدبر و تفکر سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اللہ نے مرد اور عورت کو جو علیحدہ علیحدہ مقام اور تشخص دیا ہے اس کو RECONCILE کیجئے۔ اس کے مطابق طرز عمل اختیار کیجئے۔ اسی میں ہماری دنیوی اور اُخروی کامیابی ہے۔

بیوی کے لئے صحیح طرز عمل

اسی آیت میں آگے نہایت پیارے اور دلنشین اور واضح انداز میں عورتوں کے لئے رہنمائی عطا فرما دی گئی کہ مرد کی فضیلت و قوامیت کے پیش نظر ان کا طرز عمل کیا ہونا چاہیئے۔ فرمایا

فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

"پس نیک بیبیوں کو سزاوار ہے کہ وہ فرمانبرداری کرنے والی اور مردوں کے پیچھے ان کے حقوق اور رازوں کی حفاظت کرنے والی بنیں بوجہ اس کے کہ اللہ نے اس چیز کی حفاظت کی ہے"

ـــــ آیت مبارکہ کے اس ٹکڑے میں ایک صالح بیوی کی دو صفات بیان کی گئیں۔ ایک یہ کہ وہ قانتہ ہو ـ دوسری یہ کہ وہ حافظ للغیب ہو ـــ ترجمے سے ان صفات کا ایک اجمالی مفہوم آپ کے سامنے آگیا ہوگا۔ لیکن ضرورت ہے کہ اس کو مزید واضح کیا جائے۔ اس حصّے کی ترجمانی اور تشریح و توضیح یوں ہوگی کہ از روئے قرآن مجید صالح اور نیک بیویاں وہ ہیں یا از روئے اسلام قابل تعریف طرز عمل اور کردار ان خواتین کا ہے جن میں دو اوصاف موجود ہوں۔ ایک یہ کہ وہ قانتات ہوں یعنی شوہر کی فرمانبردار ہوں۔ ان کا حکم مانیں۔ ظاہر بات ہے کہ وہ حاکم کیا ہوا جس کا حکم نہ مانا جائے! یہ ضرور ہے کہ حاکم مطلق صرف اللہ ہے۔ شوہر کا حکم اگر اللہ کے حکم کے خلاف ہے تو نہیں مانا جائے گا۔ لیکن اللہ اور اس کے رسول ؐ کے احکام کے دائرے میں شوہر کا حکم ماننا بیوی پر لازم اور فرض ہے۔ اس لزوم اور فرضیت کے باہمی ربط کو شوہر کے لئے قوّام (حاکم) اور بیوی کے لئے قانتہ (فرمانبردار) کے الفاظ سے بالکل واضح اور نمایاں کر دیا گیا اور نظم قرآن کے اس اعجاز سے ثابت ہوگیا کہ عائلی زندگی میں شوہر کو حاکم کی حیثیت حاصل ہے ـــ دوسرا وصف یہ کہ وہ حافظاتٌ للغیب ہوں۔ اس

اسلوب میں بڑی جامع باتیں آگئی ہیں۔ اس میں اپنی عصمت وعفت کی حفاظت بھی ہے ___ درحقیقت اب وہ صرف اس کی عصمت نہیں ہے بلکہ شوہر کی آبرو اور اس کی ناموس ہے۔ جب تک شادی نہیں ہوئی تھی، عورت کی عصمت اس کی ذاتی اور خاندان والوں کی آبرو اور عصمت تھی جب وہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو کر ایک شخص کی بیوی بن گئی ہے تو اس میں اضافی طور پر اس کے شوہر کی عزت و ناموس بھی شامل ہو گئی ___ اسی طریقے سے نیک بیویوں پر لازم ہے کہ وہ اپنے شوہروں کے رازوں کی حفاظت کریں۔ شوہر کے رازوں سے بیوی کی سے زیادہ کوئی دوسرا آگاہی رکھ سکتا ہے؟ لیکن ایک صالح بیوی کا طرزِ عمل یہ ہوگا کہ وہ شوہر کے رازوں اور کمزوریوں کو چھپائے۔ ان کی حفاظت کرے ___ اگر وہ ان کو افشاء کرتی ہے تو یہ طرزِ عمل اس کردار کے بالکل منافی اور متضاد ہوگا جو کتاب وسنت سے ایک صالح اور IDEAL بیوی کا ہمارے سامنے آتا ہے۔ پس اس آیت سے یہ بات واضح طور پر ہمارے سامنے آگئی کہ جب میاں بیوی کا رشتہ قائم ہو تو ایک خاتون کا صحیح طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے۔

تیسری اساس

آگے چلئے، یہ جو عقدۃ النکاح ہے اس میں بھی فرق وتفاوت ہے۔ اس گرہ کے بندھنے میں یقیناً عورت کی مرضی بھی شامل ہوتی ہے۔ لڑکی سے اس کا ولی اجازت لے کر آتا ہے اور نکاح پڑھانے والے کے ذریعے ایجاب یعنی پیش کش کرتا ہے اور لڑکا قبول کرتا ہے۔ اگر لڑکی اجازت نہ دے تو یہ بندھن نہیں بندھ سکتا۔ یہ قانونی تشخص اس کو حاصل ہے۔ اس کی مرضی کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔ اس میں یہ وضاحت کر دی گئی ہے کہ اگر لڑکی کنواری ہے تو اس کے سامنے ذکر کر دیا جائے اور وہ خاموش رہے تو یہ خاموشی بھی رضا شمار ہوتی ہے۔ چنانچہ 'خاموشی نیم رضا' ہمارے ہاں محاورہ بن گیا ہے (یہاں خاموشی پر جو عربی لفظ نہیں ہے، 'ال' لگانا بڑا ہی مضحکہ خیز ہے) لیکن اگر عورت ثیبہ ہے یعنی مطلقہ ہے یا بیوہ ہے تو اس میں صراحت کی گئی ہے کہ نکاح ثانی کے لئے اس کی کامل اجازت ضروری ہے۔ یعنی جب تک وہ زبان سے نہ کہے بات پوری نہیں ہوگی ___ لیکن اس گرہ کے بندھ جانے کے بعد معاملہ مساوی نہیں رہا۔ اب گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ اسے اختیار ہے وہ جب چاہے اس گرہ کو کھول دے۔ جب چاہے طلاق دیدے۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۷ میں اس اختیار کو بیان کیا گیا ہے۔

اَلَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ ط — "وہ (مرد) جس کے ہاتھ میں نکاح کی

گرہ ہے"

قانونی طور پر اسے طلاق دینے اور نکاح کی گرہ کھولنے کا کامل اختیار ہے۔ تحدید اگر ہے تو وہ اخلاقی ہے۔ اگر وہ کسی حقیقی سبب کے بغیر ایسا کرتا ہے تو بہت بڑا ظلم کرتا ہے۔ جس کی اسے اللہ کے ہاں جواب دہی کرنی ہوگی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار فرمادیا کہ

اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰہِ الطَّلَاقُ "اللہ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے بُری چیز طلاق ہے۔"

قانون اپنی جگہ ہے لیکن ساتھ ہی اخلاقی پابندی بھی عائد کر دی گئی ہے۔ اس طرح اس کو متوازن (BALANCE) کیا گیا ہے۔ مرد کسی حقیقی سبب سے طلاق دیتا ہے تو اس کو مکمل اختیار ہے۔ لیکن اگر بلا سبب اس نے طلاق دے کر کسی خاتون کی زندگی تباہ کی ہے جس کا اختیار بہرحال اسے حاصل ہے تو ایسا شخص جان رکھے کہ وہ اللہ کے ہاں بہت بڑا مجرم بنکر پیش ہوگا۔ لیکن جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ اسے اختیار بہرحال حاصل ہے۔ البتہ بیوی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے کہ جب چاہے اس گرہ کو کھولدے۔ بلکہ اسے 'خُلع' حاصل کرنے کا حق دیا گیا ہے۔ وہ علیحدگی چاہے تو اسے قاضی کی عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانا ہوگا اور قاضی کو بتانا ہوگا کہ وہ کن اسباب کی بنا پر علیحدگی کی خواہاں ہے۔ اسلامی عدالتیں نہ ہوں تو وہ برادری یا قبیلے یا خاندان کے بزرگوں کو درمیان میں ڈال کر 'خُلع' حاصل کر سکتی ہے جیسا کہ انگریزوں کی حکومت کے دور میں عموماً ہوتا رہا ہے اور اب بھی عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ ELDERS OF THE CLAN عورت کی دادرسی کرتے ہیں اور تصفیہ کرا دیتے ہیں۔ ان کے سامنے عورت اسباب پیش کر سکتی ہے کہ میں اس مرد کے گھر میں نہیں بس سکتی۔ اس میں عورت کو یہانتک بھی اختیار دیا گیا ہے کہ مجرد یہ بات بھی 'خُلع' کی بنیاد بن سکتی ہے کہ اسے مرد پسند نہیں ہے۔ یہ سب اس لئے کہ زن و شو میں جو مودّت و موافقت اور مزاج کی پوری ہم آہنگی خاندانی نظام کے پُرسکون ہونے کے لئے درکار ہے اگر وہ موجود ہی نہیں ہے تو یہ گاڑی کیسے چلے گی! لہٰذا جیسے عورت کی طرف مرد کی رغبت جتنی ضروری ہے اسی طرح عورت کی بھی رغبت مرد کی طرف ضروری ہے۔ حاصلِ کلام یہ کہ عورت کو یہ آزادی حاصل نہیں ہے کہ وہ جب چاہے از خود اس گرہ کو کھولدے۔ اسے 'خُلع' کے لئے مرافعہ کرنا ہوگا۔ مجاز ادارے کو مطمئن (CONVINCE) کرنا پڑیگا۔ اپنے بڑوں کے سامنے اپنی واقعی مجبوریاں پیش کرنی ہوں گی تاکہ معلوم ہو جائے کہ عورت محض

شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر اتنا بڑا قدم نہیں اٹھا رہی بلکہ حقیقی اسباب اور مشکلات موجود ہیں ـــــ بہرحال یہ بات پیشِ نظر رہنی ضروری ہے کہ طلاق اور خلع اپنے STATUS کے اعتبار سے علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔ یہ مساوی نہیں ہیں۔ جہاں بھی ان کو مساوی کیا گیا ہے وہاں جو فساد رونما ہوا ہے وہ دنیا میں خوب جانا پہچانا ہے ـــــ اب میں چاہوں گا سورہ البقرہ کی آیت نمبر ۲۳۷ پوری آپ مع ترجمہ سن لیں اور اس کے مضمرات کو بھی سمجھ لیں۔ پوری آیت یہ ہے:-

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۭ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۭ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ○	اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو، لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا یہ اور بات ہے کہ عورت نرمی برتے (اور مہر نہ لے) یا وہ مرد جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے، نرمی سے کام لے (اور پورا مہر ادا کر دے) اور تم (یعنی مرد) نرمی سے کام لو

تو یہ رویہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو۔ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے"۔

یعنی اس میں تلقین کی گئی ہے کہ اگرچہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے اور وہ جب چاہے اسے کھول سکتا ہے لیکن اگر نکاح کے بعد خلوت میں ملاقات نہ ہوئی ہو اور مرد طلاق دیدے اس صورت میں اسے قانوناً تو نصف مہر ادا کرنا ہوگا، لیکن اللہ نے مرد کو عورت پر جو فضیلت دی ہے مرد اس کو نظر انداز نہ کرے۔ بلکہ اس کی رعائت کرے اور پورا مہر ادا کرے، یہ طرزِ عمل تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ـــــ مرد کی فضیلت کی دلیل اس آیت میں بھی موجود ہے۔

اسلام میں عورت کا مقام

اب آئیے ستر و حجاب اور اسلام میں عورت کے اصل مقام کے مسائل کی طرف۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کے متعلق میری آراء اور میرے نظریات پر جو در اصل میرے نہیں بلکہ قرآن

وسنت کے احکام ہی سے ماخوذ و مستنبط ہیں، اخبارات و رسائل میں میرے خلاف ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ دورِ حاضر کی کچھ علامہ و فاضلہ اور مفسراتِ قرآن، فرما رہی ہیں کہ "ڈاکٹر اسرار اسلام سے ناواقف ہے۔ وہ رجعت پسند اور قدامت پسند ہے۔ وہ دقیانوسی نظریات و خیالات رکھتا ہے۔" اور مطالبہ کر رہی ہیں کہ اسے مجلس شوریٰ سے نکالو۔ اس کا ٹی وی پروگرام "الہدیٰ" بند کر دو۔[1] وہ عورتوں کے حقوق غصب کرنا چاہتا ہے، وہ آزادیٔ نسواں کا دشمن ہے۔'

میرا جواب

ان سب باتوں کے جواب میں، میں اپنی ان بہنوں سے عرض کروں گا کہ میں نے کبھی عالم دین ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ میں نے اپنے متعلق جب کچھ کہا ہے تو یہی کہ میں قرآن مجید کا محض ایک ادنیٰ طالب علم اور سنتِ رسول ؐ کا ادنیٰ درجے ہی میں سہی ایک والہ و شیفتہ ہوں ـــــ رہا رجعت پسندی اور قدامت پسندی کا سوال! تو مجھے اپنی اس رجعت و قدامت پسندی پر فخر ہے کہ میرے لئے اصل معیارِ حق و باطل وہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہے جس پر آج سے سوا چودہ سو سال قبل وہ معاشرہ وجود میں آیا تھا جس سے زیادہ صالح معاشرہ اس سینۂ گیتی کے اوپر اور فلک نیلی فام کے نیچے کبھی قائم نہیں ہوا۔ اور جس کی برکات کا کچھ پرتو اب بھی عالم میں موجود ہے اور جس کی کامل برکات سے بہرہ مند ہونے کے لئے بنی نوع انسان کا اجتماعی ذہن لاشعوری طور پر ہنوز پیاسا، جویا اور متلاشی ہے۔ بقول علامہ اقبال ؎

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو — زاں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست — یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است!!

میں ایسی تمام بہنوں اور بھائیوں سے وہی بات عرض کروں گا۔ جو 'خلقِ قرآن' کے فتنے کے برپا ہونے کے دور میں امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے کہی تھی کہ:-

اِیْتُوْنِیْ بِشَیْءٍ مِنْ کِتَابِ اللّٰہِ وَسُنَّۃِ رَسُوْلِہٖ حَتّٰی اَقُوْلَ

"میرے پاس کتاب اللہ اور اس کے رسول ؐ کی سنت سے کوئی دلیل لاؤ۔ تو لازماً مان لوں گا۔

میرا دعویٰ

البتہ میں قرآن و سنت کے اپنے حقیر مطالعے کی بنیاد پر پورے وثوق اعتماد اور دعوے سے عرض کروں گا کہ سترو حجاب کے مکمل قوانین و

[1] مغرب زدہ خواتین کی خوشنودی کے لئے بالآخر جولائی ۱۹۸۲ء سے "الہدیٰ" بند کر دیا گیا جب مطالعۂ قرآن حکیم کا منتخب نصاب نصف تک پہنچا تھا۔ (مرتب)

ضوابط قرآن و سنّت نے مقرر کئے ہیں، اس مسئلے سے متعلق احکام بڑی تفصیل سے دیئے ہیں، بہت واضح طور پر دیئے ہیں، ان میں کوئی ابہام نہیں ہے۔ پھر یہ کہ قرآن و حدیث نے عورت کا اصل مقام اس کا گھر قرار دیا ہے۔ میں یہ بھی عرض کرتا ہوں کہ جو شخص کسی درجے میں بھی کتاب و سنّت سے تھوڑی بہت واقفیت رکھتا ہو اور اس کے دل میں کچھ خوف و خشیتِ الٰہی بھی موجود ہو وہ میرے اس دعوے کو چیلنج نہیں کر سکتا ـــــ عورت کے دائرہ کار اور سترو حجاب کی شرعی حدود کی بحث میں حصّہ لینے والے مرد اور خواتین خود کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان کا رویّہ یہ ہے کہ وہ قرآن و سنّت کا اتباع اور اسلام کی پیروی کرنے کے بجائے اپنی خواہشات و نظریات کے پیچھے چلنا چاہتے ہیں۔ لیکن ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ان سے زیادہ اسلام کو سمجھنے والا اور اس کا شیدائی کوئی نہیں اور انہیں قرآن و سنّت سے انکار نہیں ہے، انہیں انکار "دینِ مُلّا" یا ڈاکٹر اسرار جیسے رجعت و قدامت پسندوں کے نظریات و افکار سے ہے۔ میں اپنی ان تمام بہنوں سے جو یہاں میری بات سننے تشریف لائی ہیں اور آپ تمام حضرات سے درخواست کروں گا کہ پہلے سے قائم شدہ نظریات و تصوّرات سے اپنے ذہن کو خالی کر کے قرآن و سنّت کی تعلیمات پر معروضی طور پر غور فرمایئے۔ انشاءاللہ آپ کے سامنے واضح طور پر یہ بات آجائے گی کہ از روئے قرآن و سنّت سترو حجاب کے احکام کیا ہیں اور عورت کا اصل مقام کیا ہے۔!!

سترو حجاب

آج سے تقریباً دو سو سال قبل جب انگریزی استعمار اور امپیریلزم کا غلبہ برِّصغیر پاک و ہند میں شروع ہوا اور سیاسی غلامی پائے تکمیل کو پہنچ گئی تو ساتھ ہی اَلنَّاسُ عَلٰی دِینِ مُلُوْکِهِمْ کے مقولے کے مطابق ذہنی غلامی اور استیلاء کے دور کا آغاز ہوا اور یہاں کے ان مسلمانوں نے جنہوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی اور جو سرکاری مناصب تک پہنچے مرعوب ذہنیت کے ساتھ مغربی طور طریقے، طرزِ بود و باش اور طرزِ معاشرت اختیار کرنی شروع کی۔ پھر پچھلی جنگِ عظیم کے بعد جو مسلم ممالک یورپ کے پنجۂ استبداد میں گرفتار تھے تو وہاں بھی مترفین اس تہذیب کی کورانہ تقلید میں لگ گئے۔ اس طرح جدید تعلیمیافتہ نسل اس بات کو فراموش کر بیٹھی کہ شریعت اسلامی میں سترو حجاب کے احکام بھی ہیں اور عورت کا اصل دائرہ کار بھی معیّن ہے۔

اس بات کو جان لیجئے کہ سترو حجاب کے ضمن میں بھی یہ اصول کارفرما ہے کہ یہ احکام

بھی بتدریج نازل ہوئے ہیں۔ یہ تمام احکام دو سورتوں یعنی سورہ الاحزاب اور سورہ النور میں مکمل ہو جاتے ہیں۔ ان دونوں سورتوں کے زمانہ نزول کو اگر سامنے رکھا جائے جو حکمت تشریع کو سمجھنے کے لئے ازحد ضروری ہے تو معلوم ہو جائیگا کہ پہلا حکم کون سا ہے اور دوسرا کونسا! کثیر التعداد اور معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ الاحزاب پہلے نازل ہوئی ہے۔ غزوہ احزاب کے دوران یا اس کے فوراً بعد۔ اس میں حجاب کے ابتدائی احکام ہیں۔ یہ غزوہ شوال ۵ھ میں ہوا تھا۔ سورۃ النور غزوہ بنی المصطلق کے بعد نازل ہوئی ہے جو شعبان ۶ھ کا واقعہ ہے۔ اس میں ستر و حجاب کے تکمیلی احکام بیان ہو گئے ہیں۔ اسی غزوے ہی کے دوران واقعہ افک پیش آیا ہے۔ یعنی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا دورانِ سفر میں جو ہار ٹوٹ گیا تھا جس کی تلاش کیوجہ سے آپؓ قافلے سے پیچھے رہ گئی تھیں اور پھر صفوانؓ بن مُعطّل سُلمی کے ساتھ آکر قافلے میں شامل ہوئیں اور اس واقعے کو منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت جڑنے کا بہانہ بنا لیا۔ اور اس افک سے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی برأت اسی سورۂ نور میں نازل ہوئی ہے۔

خواتین کیلئے اُسوہ

اب پہلے ایک اصل الاصول سمجھ لیجئے۔ سورہ الاحزاب میں ایک آیت آئی ہے جس کا ابتدائی حصہ آپ سب نے سیرت مطہرہ کی تقاریر کے ضمن میں لازماً سنا ہوگا۔ آیت یہ ہے :۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

"اے مسلمانوں تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں اور سیرت میں ایک نہایت عمدہ، بہترین نمونہ اور اُسوۂ کاملہ ہے"۔

یعنی اس اسوہ کو دیکھو! اس کو سمجھو اور اس کو اپنے لئے IDEAL بناؤ۔ اس کا اتباع اور اس کی پیروی کرو۔ اس سے قریب سے قریب تر ہونے کی کوشش کرو۔ تا قیام قیامت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مطہرہ مسلمانوں کے لئے ایک بہترین اور اکمل اسوہ و نمونہ ہے۔ اب غور کیجئے کہ مسلمان مردوں کے لئے تو ہر لحاظ اور ہر اعتبار سے نمونہ آنحضورؐ کی ذات اقدس ہے۔ مرد کی ایک حیثیت شوہر کی ہے، اس کے لئے بھی آنجنابؐ نمونہ ہیں۔ الغرض شوہر کی حیثیت ہو یا باپ اور خسر کی۔ معلم کی حیثیت ہو یا مربی و مزکی کی

سربراہِ مملکت کی حیثیت ہو یا قاضی القضاۃ کی۔ سپہ سالار یا جنرل کی حیثیت ہو یا فاتح اور کشور کی۔ ہر حیثیت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کے لئے یقیناً اکمل واتم نمونہ و اسوہ ہیں ـــ لیکن مسلمان خواتین کے لئے آں حضرتؐ کی سیرت اور زندگی مکمل نمونہ نہیں بن سکتی۔ یہاں خاص طور پر میرے اس جملے پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر یہاں "مکمل نمونہ" کے الفاظ توجہ چاہتے ہیں۔ بطور خاتون، بطور بیوی، بطور بیٹی اور بطور ماں، یہ اسوہ تو آپ کو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں تو نہیں ملے گا۔ حالانکہ یہ بہت ضروری ہے۔ عورت کی ان حیثیات کے لئے بھی تو کوئی نمونہ کوئی اسوہ کوئی Ideal ہونا چاہئے کہ جس کو دیکھ کر تاقیامِ قیامت مسلمان خواتین اپنے طرزِ عمل کو معین کریں۔ حضورؐ کی زندگی کے جو دوسرے پہلو ہیں وہ یقیناً خواتین کے لئے بھی اسوہ ہیں۔ عبادت عورتوں کو بھی کرنی ہے، وہ دیکھیں کہ آنحضورؐ کی زندگی میں عبادت کا کیا معمول رہا ہے اس کی پیروی کریں۔ نماز انہوں نے بھی پڑھنی ہے۔ لہٰذا صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي کی ہدایت جیسے مردوں کیلئے ہے ویسے عورتوں کے لئے بھی ہے لیکن جو مسائل و معاملات خواتین کے لئے مخصوص ہیں، ان مسائل و معاملات کے لئے اسوہ کون ہوگا؟ یہ سوال خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔ اس طرح وہ حقیقت آپ کے سامنے بالکل واضح و مبرہن ہو کر آئے گی کہ اسی سورۃ الاحزاب میں جس میں یہ آیت آئی: لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ اسی میں ازواجِ مطہرات سے خطاب ہو رہا ہے کہ درحقیقت وہ ہیں ہمیشہ ہمیش کے لئے امت کی خواتین کے واسطے اسوہ اور نمونہ۔ بالخصوص ان معاملات میں جو خواتین ہی سے متعلق ہیں۔ یہ وہ بدیہی حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں کہ ایسے تمام معاملات میں جو خواتین ہی سے تعلق رکھتے ہوں امہات المؤمنین ہی اسوہ بننے کا استحقاق رکھتی ہیں یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین۔ میں نے یہ بات اتنی وضاحت سے اور زور دے کر اس لئے بیان کی ہے کہ سورۃ الاحزاب میں لفظاً خطاب آنحضورؐ کی بیویوں سے ہے۔ جس سے ہماری بعض بہنیں اس مغالطے میں مبتلا ہو گئی ہیں یا کر دی ہیں کہ یہ تو نبی اکرمؐ کی بیویوں سے متعلق احکام ہیں، یہاں عام مسلمان خواتین سے تو بات نہیں ہو رہی۔ یہ بات ان کی غلط فہمی اور مغالطے کا بہت بڑا سبب بن گئی۔ لہٰذا اس بات کی ذہن میں تصحیح ہونی چاہئے کہ قرآن مجید میں یہ اسلوب کیوں ہے! یہ اس لئے ہے کہ ازواجِ مطہرات کو مسلمان خواتین کے لئے Ideal بننا ہے۔ ان تمام معاملات میں جو صرف خواتین سے متعلق

اور ان کے لئے مخصوص ہیں ــــ ورنہ بحیثیتِ مجموعی IDEAL ، اسوہ حسنہ اور کامل نمونہ تو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر ۳۲ میں خطاب یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ ، سے ہوتا ہے جو آیت نمبر ۳۳ کے اختتام تک چلتا ہے۔ اب پہلے دونوں آیات اور ان کا ترجمہ سن لیجئے۔ پھر میں ان کی تشریح وتفسیر کروں گا۔ چونکہ یہ آیات آج کے موضوع کے لئے بمنزلہ کلید ہیں۔ فرمایا:

یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۚ وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا ۚ

"نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو نرم اور شیریں انداز سے بات نہ کیا کرو۔ مبادا دل کی خرابی کا مبتلا کوئی شخص (منافق) لالچ میں پڑ جائے بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور سابق دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم اہلِ بیتِ نبی سے گندگی کو دور کرے اور تمہیں پاک کر دے۔ جیسا کہ تمہیں ہونا چاہئیے۔"

پردے کے احکام کا آغاز

یہ دونوں آیات وہ ہیں، جن سے پردے کے احکام کا آغاز اور مسلم خواتین کے لئے ایک دائرہ کار متعین ہوا ہے۔ پھر اسی انداز واسلوبِ بیان سے یہ غلط نتیجہ اخذ کئے گئے ہیں کہ یہ احکام تو نبی اکرمؐ کی ازواج کے لئے مخصوص ہیں۔ عام مسلم خواتین ان کی مخاطب نہیں ہیں۔ لہٰذا ان آیات پر بڑے تدبر و تفکر اور غور و خوض کی اور انکے مضمرات کو کھولنے کی شدید ضرورت ہے۔ جمعہ کی تقریر کیلئے جو وقت مقرر ہے وہ ختم ہو چکا ہے لیکن میں آج آپ کا نصف گھنٹہ اور لوں گا اور ان شاء اللہ تیزی کے ساتھ مضمون کی تکمیل کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ تمام حضرات و خواتین سے درخواست ہے کہ وہ ہمہ تن گوش بن کر میرا ساتھ دیں اور گفتگو پر اپنی توجہات مرتکز رکھیں۔

طرزِ تخاطب کی حکمت خطاب ہو رہا ہے "یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ" سے اور پہلی بات یہ فرمائی گئی ہے کہ

لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ "تم عام عورتوں کے مانند نہیں ہو"

غور کیجئے کہ محض 'عورت' ہونے کے ناطے سے ازواجِ مطہرات اور دوسری عورتوں میں کیا فرق ہے! اس لحاظ اور اعتبار سے تو سب عورتیں برابر ہیں۔ فرق اور امتیاز ہے تو یہ کہ وہ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویاں ہیں اور جس طرح آں حضورؐ ایک اسوۂ کاملہ ہیں اسی طرح خواتین کے مخصوص امور میں ان ازواجِ مطہرات ہی کو اسوۂ اور نمونہ بننا ہے لہٰذا ان کو جو خصوصی احکام دیئے جا رہے ہیں ان کی غایت یہی ہے کہ ان کے مطابق عمل کر کے ازواجِ نبیؐ تا قیامِ قیامت تمام مسلم خواتین کے لئے ایک IDEAL خاتون اور بیوی کا نمونہ بن جائیں۔ اسی لئے اسی سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۱ میں جو آیت زیرِ گفتگو سے متصلاً قبل آئی ہے ازواجِ مطہراتؓ کو ان کے نیک اعمال پر دوہرے اجر کی بشارت دی گئی ہے۔

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ "اور تم میں سے جو اللہ اور اس کے رسولؐ
وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا کی اطاعت کرے گی اور نیک عمل کرے گی
مَرَّتَيْنِ: اس کو ہم دوہرا اجر دیں گے۔"

اور آیت ۳۰ میں ان کی لغزش پر دوہرے عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ یہ بھی اس لئے کہ ازواجِ مطہرات کو اسوہ اور نمونہ بننا ہے۔ لہٰذا ان کی عزیمت اور ان کی نیکی بہت سی خواتین کے لئے اس راہ پر چلنے کا سبب بنے گی اور ان کی معمولی سی لغزش بھی بہت سی عورتوں کی لغزش کا باعث بن جائے گی۔ ورنہ یہ احکام تمام مسلم خواتین کے لئے بھی ہیں۔ اس کی ایک دلیل میں دے چکا ہوں ایک اور دلیل میں آگے بیان کروں گا نیز آپ کو یہ بھی بتاؤں گا کہ عام مسلم خواتین کے لئے بھی یہی ہدایات دوسرے اسالیب سے قرآن مجید میں نازل ہوئی ہیں اور ان ہی احکام کی تشریح و توضیح میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تاکیدی احکام دیئے ہیں۔

آواز کا فتنہ آگے فرمایا :-

اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ " (اے نبی کی بیبیو!) اگر تم اللہ
فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ سے ڈرنے والی ہو تو شیریں اور لوچ

قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ سے بات نہ کیا کرو مبادا جس کے دل میں (نفاق کا) روگ ہے وہ کوئی غلط توقع کر بیٹھے۔ بلکہ صاف سیدھی بات کرو"

اس ہدایت کی حکمت کو اچھی طرح سمجھئے۔ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ عورت کی آواز میں بھی نسوانی حسن اور دلربائی کا وصف خالق و فاطر کی طرف سے ودیعت کیا گیا ہے۔ اس میں ایک جاذبیت اور کشش رکھی گئی ہے۔ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں۔ لیکن یہی گفتگو کا شیریں اور لوچدار انداز بہت سے فتنوں کا ذریعہ بنتا ہے۔ اکثر اوقات اس میں کوئی بُرا جذبہ نہیں ہوتا لیکن آواز میں حلاوت لہجے میں لگاوٹ اور باتوں میں گھلاوٹ سے شیطان فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور دل کے چھپے ہوئے چور کو شہ دیتا ہے۔ قرآن اس چور کا سر کچلنے کے لئے ہدایت دیتا ہے کہ ضرورت پیش آنے پر کسی نامحرم مرد سے بات کی جاسکتی ہے۔ لیکن اس موقع پر اندازِ گفتگو ایسا نہیں ہو کہ جس کے دل میں مرض ہے جس سے نفاق کا روگ بھی مراد لیا جاسکتا ہے اور نفسیاتی بھی، وہ خواہ مخواہ دل میں کوئی غلط توقع پال لے اور کوئی طمع جگالے۔ لہٰذا ایسے مواقع پر آواز میں کرخت انداز پسندیدہ ہے اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا گیا کہ بات بھی سیدھی کرو۔ اس میں بلا ضرورت نہ طوالت ہو نہ اینچ پینچ ہو۔ یہ ہدایات جہاں ازواج مطہرات کیلئے ہیں وہاں تمام خواتین کے لئے بھی ہیں اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے۔[1]

قرار فی البیوت اگلی آیت میں فرمایا:۔

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰی "اور اپنے گھروں میں قرار، وقار اور سکینت کے ساتھ رہو اور جیسے بن ٹھن کر ایامِ جاہلیت میں عورتیں گھروں سے نمائش کے لئے نکلا کرتی تھیں ایسے نہ نکلو!"

---

[1] تفہیم القرآن میں سورۃ الاحزاب کی اس آیت کے اس حصّے کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور نے حاشیے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ اس میں تمام مسلمان بھائیوں اور بہنوں کے لئے بڑا سبق ہے۔ سیّد مودودیؒ لکھتے ہیں:

"اب ذرا سوچنے کی بات ہے کہ جو دین عورت کو غیر مرد سے بات کرتے ہوئے بھی لوچدار انداز گفتگو اختیار کرنے کی اجازت نہیں دیتا اور اسے مردوں کے سامنے بلا ضرورت آواز نکالنے سے روکتا ہے، کیا وہ کبھی اس کو پسند کر سکتا ہے کہ عورت اسٹیج پر آ کر گائے،

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہاں لفظ قَرۡنَ استعمال ہوا ہے۔ بعض اہل لغت نے اس کو 'قرار' سے اور بعض نے 'وقار' سے ماخوذ بتایا ہے۔ قرار پکڑنے کے معنی ہوں گے 'ٹِک کر رہو' اور وقار کا مطلب ہوگا 'سکون سے رہو، چین سے بیٹھو'۔ دونوں صورتوں میں آیت کا یہ منشاء بالکل واضح، مبرہن اور ظاہر ہے کہ عورت کا اصل دائرہ عمل اس کا گھر ہے۔ یہاں کسی ابہام کے بغیر عورتوں کے لئے لائحہ عمل متعین کر دیا گیا اور ہدایت دے دی گئی ہے کہ عورت کی تمدّنی ذمہ داریوں کا دائرہ کار دراصل اس کا گھر ہے۔ وہ اس میں قیام کریں۔ قرار پکڑیں۔ یہاں اوّلین 'رہنما اصول' (DIRECTIVE PRINCIPLE) مقرر کر دیا گیا ہے [1]۔ یہ ہے اسلام میں عورت کا

نسل ناچے، تھرکے، بھاؤ بتائے اور ناز و نخرے دکھائے! کیا وہ اس کی اجازت دے سکتا ہے کہ ریڈیو پر عورت عاشقانہ گیت گائے اور سریلے نغموں کے ساتھ فحش مضامین سنا سنا کر لوگوں کے جذبات میں آگ لگائے۔ کیا وہ اسے جائز رکھ سکتا ہے کہ ڈراموں میں کبھی کسی کی بیوی اور کبھی کسی کی معشوقہ کا پارٹ کریں؟ یا ہوائی میزبان AIR HOSTESS بنائی جائیں اور انہیں خاص طور پر مسافروں کو دل لبھانے کی تربیت دی جائے؟ یا کلبوں اور اجتماعی تقریبات اور مخلوط مجالس میں بن ٹھن کر آئیں اور مردوں سے خوب گھل مل کر بات چیت اور ہنسی مذاق کریں؟" ــــ موجودہ "ترقی یافتہ" دور کے پیش نظر راقم یہاں مزید یہ عرض کرنے کی جسارت کر رہا ہے کہ ان صاف اور صالح تعلیمات و ہدایات اور احکامات کے بعد بھی کیا اس کا کوئی ادنیٰ سا جواز ہے کہ ٹیلیویژن پر عام پروگراموں اور اکثر خبر ناموں کی معلنے (Announcers) خواتین کو بنایا جائے۔ (مرتب)

[1] امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے کہ "اس حکم (وَقَرۡنَ فِیۡ بُیُوۡتِکُنَّ) کے بعد ایک رات کو ام المومنین حضرت سودہؓ گھر سے باہر جا رہی تھیں۔ راستے میں حضرت عمرؓ نے دیکھ لیا اور کہا اے سودہؓ ہم نے تم کو پہچان لیا تم خود کو نہ چھپا سکیں۔ وہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئیں اور یہ ماجرا آپؐ سے بیان کیا۔ اسی وقت آپ پر وحی نازل ہوئی۔ جب نزول وحی کی حالت جاتی رہی تو آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو (یعنی عورتوں کو) اپنے کام کاج کے لئے باہر نکلنے کی اجازت دی ہے"۔ وحی نے جن شرائط کے ساتھ یہ اجازت دی ہے وہ اسی سورہ الاحزاب کی آیت ۵۹ میں مذکور ہے جس پر محترم ڈاکٹر صاحب کی گفتگو آگے آئے گی۔ (مرتب)

اصل مقام۔ اگرچہ ناگزیر تمدنی ضروریات کے لئے بعض شرائط کے ساتھ گھر سے نکلنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جس کو میں قرآن مجید ہی کے حوالے آگے بیان کروں گا۔ آیت زیرِ گفتگو کے بین السطور بھی باہر نکلنے کی اجازت موجود ہے لیکن یہاں ایک شرط عائد کی گئی ہے۔

تبرّج کی ممانعت

وہ شرطِ تبرّج اور خاص طور پر تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ کے ساتھ نکلنے کی ممانعت کی شرط ہے۔ عربی میں تبرّج کے معنی نمایاں ہونے' ابھرنے اور کھل کر سامنے آنے کے ہیں۔ عورت کے لئے یہ لفظ اپنے چہرے اور اپنے جسم کی سج دھج' آرائش و زیبائش' سنگھار اور اپنی چال ڈھال میں لوچ اور چٹک مٹک کے ذریعے اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ تمام اہلِ لغت اور اکابر مفسرین نے اس لفظ کی یہی تشریح کی ہے۔ اب رہا جاہلیت کے مفہوم کا تعین تو جان لیجئے از روئے اسلام جاہلیت سے مراد ہر وہ طرزِ عمل' ہر وہ روش' ہر وہ چلن' ہر وہ رواج اور ہر وہ رسم ہے جو اسلام کی تعلیم' اس کی تہذیب' اس کی ثقافت اور اس کے اخلاق و آداب کے خلاف ہو۔ اور جاہلیۃ الاولیٰ کا مطلب وہ تمام معائب اور برائیاں ہیں جن میں ظہورِ اسلام اور بعثت نبوی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام سے قبل اہلِ عرب اور دنیا بھر کے لوگ مبتلا تھے۔ چنانچہ یہاں بظاہر ازواجِ مطہراتؓ سے خطاب ہے اور ان کو تبرّج الجاھلیۃ الاولیٰ سے منع کیا جا رہا ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا چونکہ ان امہات المومنین کو تمام مسلمان خواتین کے لئے اسوہ بننا ہے۔ لہٰذا ان کے توسط سے تمام خواتین کو ہدایت فرمائی جا رہی ہے کہ تمہارا اصل مقام تو گھر ہی ہے۔ لیکن اگر کسی تمدنی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا ہی ہو تو جاہلیت اولیٰ کی طرح بن سنور کر اور زیب و زینت کے ساتھ نکلنے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں ہے ــــــ اس آیت مبارکہ کا اگلا حصہ وَاَقِمْنَ الصَّلٰوۃَ اِلیٰ آخر الآیہ بہت واضح ہے۔ وقت کی کمی کی وجہ سے اس کی تشریح و توضیح کو چھوڑ رہا ہوں۔

آیتِ حجاب

اب آگے چلیئے۔ اسی سورہ الاحزاب کی آیت نمبر ۵۳ میں مسلمان مردوں کے لئے حکم نازل کیا جا رہا ہے۔

وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَسْئَلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ط

"(اے مسلمانو!) اگر تمہیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیویوں سے کوئی چیز مانگنی

ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگو" [1]

میری جو بہنیں آج یہاں آئی ہوئی ہیں وہ اس لفظ "حجاب" اور سورہ الاحزاب کی آیت کا نمبر ۵۳ نوٹ کرلیں جس میں یہ لفظ وارد ہوا ہے۔ بلکہ یہ بھی عرض کردوں کہ ہمارے علوم فقہ میں یہ آیت "آیت حجاب" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ جس طرح بعض آیات کے نام مخصوص ہوگئے ہیں اسی طرح اس کا نام 'آیت حجاب' مخصوص ہوگیا ہے۔ جو بہنیں اخبارات میں مراسلات و مضامین لکھ رہی ہیں کہ لفظ 'حجاب' قرآن میں کہیں نہیں آیا وہ غور کریں کہ آخر مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (پردے کی اوٹ) سے کیا مراد ہے۔ اور یہ حکم کیا ظاہر کررہا ہے؟ رو برو اور بے حجابانہ گفتگو کرنے میں اگر کوئی مضائقہ نہیں ہے تو اس حکم کا منشاء مطلب کیا متعین ہوگا؟ پھر اہم بات نوٹ کیجئے کہ جن سے پردے کی اوٹ سے کوئی چیز مانگنے کا مسلمانوں کو

---

[1] مولانا سید مودودیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں "بخاری میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ اس آیت کے نزول سے پہلے متعدد مرتبہ عرض کرچکے تھے کہ یا رسول اللہ! آپ کے ہاں بھلے اور برے سب ہی قسم کے لوگ آتے ہیں۔ کاش آپؐ اپنی ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیتے ــــ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے ازواج رسولؐ سے کہا "اگر آپ کے حق میں میری بات مانی جائے تو کبھی میری نگاہیں آپ کو نہ دیکھیں" لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ خود مختار نہ تھے، اس لئے آپ اشارۂ الٰہی کے منتظر رہے۔ آخر کار یہ حکم آگیا۔ ....اس حکم کے بعد ازواج مطہرات کے گھروں میں دروازوں پر پردے لٹکا دیئے گئے۔ اور چونکہ حضورؐ کا گھر تمام مسلمانوں کیلئے نمونے کا گھر تھا، اس لئے تمام مسلمانوں کے گھروں پر بھی پردے لٹک گئے..." سید مودودیؒ آگے لکھتے ہیں کہ "جو کتاب مردوں اور عورتوں سے رُو در رُو بات کرنے سے روکتی ہے اور پردے کے پیچھے سے بات کرنے میں مصلحت یہ بتاتی ہے کہ "تمہارے اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کے لئے یہ طریقہ زیادہ مناسب ہے۔ اتنے واضح ہدایات و احکام کے بعد آخر یہ کیسے کہا جاسکتا ہے" کہ مخلوط مجالس اور مخلوط تعلیم اور جمہوری ادارات اور دفاتر میں مردوں اور عورتوں کا ملا بے تکلف میل جول بالکل جائز ہے اور اس سے دلوں کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

(مرتب)

حکم دیا جا رہا ہے وہ امہات المومنین ہیں۔ پوری امت کے لئے مائیں ہیں۔ جن کے متعلق اسی آیت کے اگلے حصے میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ان سے نکاح کی ہمیشہ کے لئے ممانعت کی گئی ہے کہ "یہ جائز نہیں ہے کہ تم ان (رسولؐ) کے بعد ان کی بیویوں سے نکاح کرو"۔ وَلَا اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا ــــــ اس سے قبل اسی آیت میں وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ[1] کے حکم کے بعد اس کی غایت بھی بیان فرمادی گئی تھی کہ "یہ طریقہ تمہارے دلوں کے لئے بھی زیادہ پاکیزگی بخش ہے اور ان (ازواجِ مطہرات) کے دلوں کے لئے بھی ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ ؕ ــــــ غور کیجئے کہ امہات المومنین کے متعلق کس کے دل میں بُرا خیال پیدا ہو سکتا ہے؟ اسی طرح ان صالحات و مطاہرات ازواج النبیؐ کے متعلق یہ گمان دور از کار ہے۔ بالفرض ایک امکان سامنے رکھ کر پہلے تو ازواج مطہرات کو آیت نمبر ۳۲ میں شیریں اور لوچدار لہجے سے بات کرنے سے منع کیا گیا۔ پھر اس آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اپنی دینی اور روحانی ماؤں سے کوئی چیز مانگو تو پردے (حجاب) کی اوٹ سے مانگو۔ یہ اسلوب اس بات پر صریح دلالت کر رہا ہے کہ تمام مسلمان خواتین و حضرات کے لئے یہ مستقل ہدایت ہے۔ اسلام کے معاشرتی نظام میں صالح اقدار کے فروغ کے لئے یہی پاکیزہ طرزِ عمل ہے خواتین کے لئے بھی اور مردوں کے لئے بھی۔ ان احکام کی حکمتوں پر غور کیجئے۔ اللہ فاطر فطرت ہے، وہ جانتا ہے کہ مرد اور عورت کے مزاج، ان کے میلانات اور رجحانات کیا ہیں! ہم لاکھ پردے ڈالیں، ملمع سازی کریں، تہذیب و تمدن کے تقاضوں کو بہانا بنائیں، لیکن مرد میں عورت کے لئے جاذبیت، کشش اور نفسانی خواہش کا جو داعیہ رکھا ہے اُسے اس داعیہ کو رکھنے والے سے زیادہ جاننے والا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے وہ فاطر فطرت گفتگو میں لوچدار انداز اختیار کرنے سے منع فرما رہا ہے اور شدید ضرورت کے تحت کوئی چیز مانگنے یا بات چیت کرنے کی صورت میں پردے کی اوٹ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ کا حکم دے رہا ہے۔ ساتھ ہی اس کی حکمت بھی بیان فرما رہا

---

[1] مولانا امین احسن اصلاحی نے اپنی لاجواب تالیف "پاکستانی عورت دوراہے پر" میں لکھتے ہیں کہ "غزوہ خیبر کے سلسلے میں جب صحابہؓ میں یہ سوال پیدا ہوا کہ حضرت صفیہؓ کو آنحضرتؐ ایک لونڈی کی حیثیت سے رکھیں گے یا ایک منکوحہ بیوی کی حیثیت سے تو اس بارے میں اس فیصلہ کن

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ: ذٰلِکُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِکُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ

نقاب ہمارے ہاں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو چہرے کے پردے کا قائل نہیں ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں نقاب کا کہیں ذکر نہیں ہے اور حج وعمرہ کے احرام میں عورت کا چہرہ کھلا رہتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نقاب کا لفظ قرآن میں نہیں آیا۔ لیکن حدیث میں یہ لفظ موجود ہے۔ یہ روایت سنن ابی داؤد کی ہے جو صحاح ستہ میں شامل ہے۔ حدیث غور سے سنئے!

جَاءَتْ امْرَأَةٌ اِلَى النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَالُ لَهَا اُمُّ خَلَّادٍ وَهِیَ مُنْتَقِبَةٌ تَسْأَلُ عَنْ اِبْنِهَا وَهُوَ مَقْتُوْلٌ فَقَالَ لَهَا بَعْضُ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنْ اِبْنِكِ وَاَنْتِ مُنْتَقِبَةٌ فَقَالَتْ اِنْ اُرْزَءْ اِبْنِیْ فَلَنْ اُرْزَءْ حَيَائِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِبْنُكِ لَهُ اَجْرُ شَهِيْدَيْنِ قَالَتْ وَلِمَ ذٰلِكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لِاَنَّهٗ قَتَلَهٗ اَهْلُ الْكِتَابِ۔

"ایک خاتون جن کا نام ام خلاد تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے بیٹے کا جو مقتول ہو چکا تھا انجام دریافت کرنے آئیں اور وہ نقاب پہنے ہوئے تھیں نبی اکرمؐ کے ایک صحابی نے ان کی اس استقامت پر تعجب کرتے ہوئے کہا۔ نقاب پہن کر آپ بیٹے کا حال دریافت کرنے آئی ہیں؟ انہوں نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میرا بیٹا مرا ہے، میری حیا نہیں مری ہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی کہ تمہارے بیٹے کو دو شہیدوں کا اجر ملے گا۔ انہوں نے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ: اصول کو سب نے تسلیم کیا کہ: "اگر ان کو وہ پردہ کرائیں تو سمجھنا چاہیئے کہ وہ امہات المومنین میں سے ایک ہیں اور اگر پردہ نہ کرائیں تو ان کی حیثیت لونڈی کی ہوگی، تو جب آپؐ نے کوچ کا ارادہ فرمایا تو اپنے پیچھے ان کے لئے بیٹھنے کا سامان کیا اور پردہ تانا"۔ ـــــ مولانا موصوف نے اس حدیث کے جس متن کا حوالہ تحریر فرمایا ہے، اس میں "هذا الحجاب" کا لفظ آیا ہے۔

(مرتب)

پوچھا ایسا کیوں ہوگا یا رسول اللہ! آپؐ نے فرمایا اس لئے کہ اس کو اہل کتاب نے قتل کیا ہے۔"

اس حدیث میں لفظ "مُنْتَقِبَۃٌ" کا مادہ (ROOT) نقب ہے۔ اسی سے نقاب مصدر ہے۔ دیکھ لیجئے کہ یہ لفظ نقاب حدیث میں موجود ہے۔ اور یہ خاتون اس حال میں نقاب ڈالے ہوئے تھیں کہ ایسے سانحہ پر تو اچھے خاصے دین دار گھرانوں کی خواتین کو بھی غم واندوہ کی کیفیت میں حجاب کا خیال نہیں رہتا۔ یہ تو عموماً گریبان چاک کرنے اور سر پیٹنے کا موقعہ ہوتا ہے اسی لئے ایک صحابیؓ نے تعجب سے کہا تھا۔ جِئْتِ تَسْأَلِيْنَ عَنْ اِبْنِكِ وَاَنْتِ مُنْتَقِبَةٌ۔ ان مومن خاتون نے جو جواب دیا وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے کہ اِنْ اُرْزَأْ اِبْنِيْ فَلَمْ اُرْزَأْ حَيَائِيْ "میرا بیٹا مرا ہے، میری حیا نہیں مری" ـــــ واقعہ افک کے سلسلے میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو طویل حدیث مروی ہے۔ اس میں انہوں نے صراحت سے ذکر کیا ہے کہ جب وہؓ قافلے سے بچھڑ گئی تھیں اور اسی جگہ لیٹ گئی تھیں جہاں سے قافلے نے کوچ کیا تھا اور انؓ کی آنکھ لگ گئی تھی تو اس حالت میں انؓ کے چہرے سے چادر کھسک گئی تھی اور صفوان نے انؓ کو اس لئے پہچان لیا کہ انہوں نے قبل حجاب انہیں (حضرت عائشہؓ) کو دیکھا تھا[1]

---

[1] اس طویل حدیث کا متعلقہ متن اور ترجمہ یہ ہے: فَبَيْنَا اَنَا جَالِسَةٌ فِيْ مَنْزِلِيْ غَلَبَتْنِيْ عَيْنِيْ فَنِمْتُ وَكَانَ صَفْوَانُ ابْنُ الْمُعَطَّلِ السُّلَمِيُّ ثُمَّ الذَّكْوَانِيُّ مِنْ وَّرَاءِ الْجَيْشِ فَاَصْبَحَ عِنْدَ مَنْزِلِيْ فَرَاٰى سَوَادَ اِنْسَانٍ نَائِمٍ فَعَرَفَنِيْ حِيْنَ رَاٰنِيْ وَكَانَ رَاٰنِيْ قَبْلَ الْحِجَابِ فَاسْتَيْقَظْتُ بِاسْتِرْجَاعِهٖ فَخَمَّرْتُ وَجْهِيْ بِجِلْبَابِيْ۔ "اسی اثنا میں کہ میں اپنی جگہ پر بیٹھی ہوئی تھی کہ میری آنکھیں بوجھل ہوگئیں اور میں سو گئی اور صفوان سلمی ذکوانی لشکر کے پیچھے تھے، میری نشست کے پاس آئے تو ایک سوئے ہوئے انسان کو دیکھا، تو انہوں نے مجھے پہچان لیا جب انہوں نے مجھے دیکھا، کیونکہ پردہ کے حکم سے پہلے وہ مجھے دیکھ چکے تھے، ان کے اناللہ پڑھنے سے میں جاگ گئی اور اپنی چادر سے چہرہ کو ڈھانپ لیا" (مرتب)

ان دونوں حدیثوں سے چہرے کے پردے کے بارے میں کوئی اشکال باقی نہیں رہتا
اس ضمن میں اگر کسی کے دل میں کوئی شک و شبہ ہے تو میں اس کو مخلصانہ مشورہ دوں گا کہ وہ
اس کو اپنے دل سے نکال دے۔

خواتین کا احرام اور چہرے کا پردہ

حج و عمرے کے احرام میں عورت کے چہرے کے کھلے ہونے سے جو دلیل پکڑی جاتی ہے اس کے بارے میں ایسے حضرات و خواتین کو ایک اصول جان لینا چاہیئے کہ استثنائی حالات کے احکام کو کلیات پر منطبق نہیں کیا جا سکتا۔ احرام کی حالت میں چہرہ کھلا رکھنے کی ایک استثنائی اجازت یا چہرہ ڈھانپنے یا دستانے پہننے کی ممانعت حدیث میں وارد ضرور ہوئی ہے[1] لیکن اس سے چہرے کے پردے کا بالکلیہ انکار کر دینا انتہائی غیر معقول طرز فکر ہے۔ میں اس ضمن میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حجاب کا حکم آنے کے بعد روزمرہ کی عادت کا یہ اثر تھا کہ دورِ نبوی میں خواتین غیر اختیاری طور پر بھی حالت احرام میں چہرے کے پردے کا اہتمام کیا کرتی تھیں چنانچہ حجۃ الوداع کے سفر کے متعلق سنن ابوداؤد میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی سے روایت ہے:۔

كَانَ الركبان يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مُحْرِمَاتٌ مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فاذا اجازونا اسدلت إحدانا جلبابها من رأسها الى وجهها فاذا اجاوزنا كشفناه (ایک روایت میں آخری لفظ "کشفناہ")	"قافلے ہمارے پاس سے گزرتے تھے اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ احرام باندھے ہوئے تھیں جب قافلے ہمارے سامنے آتے، ہم بڑی چادر سر کی طرف سے چہرے پر لٹکا لیتیں اور جب وہ گذر جاتے

---

[1] اس ضمن میں کتب احادیث میں جو روایات آئی ہیں کہ آنحضورؐ نے عورتوں کو حالت احرام میں چہرے پر نقاب ڈالنے اور دستانے پہننے سے منع فرمایا تھا تو ان کے الفاظ یہ ہیں۔ اَلْمُحْرِمَۃُ لَا تَنْتَقِبُ وَلَا تَلْبَسُ الْقُفَّازَیْنِ۔ وَنَھَی النِّسَآءَ فِیْ اِحْرَامِھِنَّ عَنِ الْقُفَّازَیْنِ وَالنِّقَابِ۔ اس حدیث میں بھی لفظ نقاب موجود ہے۔

(مرتب)

آیا ہے) ہم اس کو اٹھا دیتیں!!"

اس حدیث میں جو لفظ جلباب (بڑی چادر) آیا ہے۔ اس کی تشریح و توضیح اسی سورہ کی آیت نمبر ۵۹ میں آپ کے سامنے آئے گی۔ جسکا بیان میں اب شروع کر رہا ہوں۔

گھر سے باہر نکلنے کے احکام

جب گھر میں قرار پکڑنے کے اور حجاب کے احکام آ گئے اور عورت کا اصل دائرہ کار گھر متعین ہو گیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ اگر کسی تمدّنی ضرورت سے گھر سے باہر نکلنا ہو تو کیا کیا جائے۔ بڑا اہم اور بنیادی سوال ہے۔ اس کے حل کے لئے آیت ۵۹ میں احکام دیئے جا رہے ہیں۔ فرمایا:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَنْ يُعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا

"اے نبیؐ! اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلو لٹکا لیا کریں۔ یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور ستائی نہ جائیں اور اللہ غفور و رحیم ہے۔"[1]

اس آیت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر کے بشمول ازواج و بنات النبیؐ تمام اہل ایمان کی خواتین کے لئے باہر نکلنے کی صورت میں حجاب (پردے) کے لئے واضح طور پر ہدایات دی جا رہی ہیں۔ یعنی اس سورہ مبارکہ کی آیات نمبر ۳۲-۳۳ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو براہ راست خطاب کر کے جو احکام دیئے گئے تھے ان کے خصوص کو اَلْقُرْآنُ يُفَسِّرُ بَعْضُهُ بَعْضًا کے اصول کے مطابق عمومیت دے دی گئی اور اس طرح توضیح کر دیا گیا کہ یہ احکام تمام مسلمان خواتین کے لئے ہیں —— اب یہاں 'جلباب' کے لفظ کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ عربی میں جلباب اس بڑی چادر کو کہتے ہیں جو پورے جسم کو ڈھانپ لے اور چھپا لے۔ ظہور اسلام سے قبل عرب کے اعلیٰ اور شرفاء کی خواتین عموماً جب باہر نکلتیں اس طرح کی چادر لپیٹ کر نکلتی تھیں۔ یہ جلباب شریف خاندانوں کی خواتین کے لباس کا جزو دور جاہلیت میں بھی تھا۔ قرآن مجید میں اس میں یہ اضافہ کیا گیا کہ اس کا ایک حصہ بطور گھونگھٹ چہرے پر لٹکا لیا جایا کرے۔ اس طرح چہرے کا پردہ شروع ہوا۔ جس کی تفصیل احادیث میں آئی ہے کہ اس حکم کے نازل کے بعد ازواج مطہرات، بنات النبیؐ اور تمام مومن خواتین باہر

---

[1] اس آیت کی رو سے ستر و حجاب کا اہتمام لازم و واجب ہو گیا۔ (مرتب)

نکلتے وقت چادر کو اس طرح اوڑھا کرتی تھیں کہ پورا سر اور پیشانی اور پورا منہ چھپ جاتا
اور صرف ایک آنکھ کھلی رہ جاتی تھی اور باقی پورا چہرہ ڈھک جاتا تھا۔ میں نے اس کی عملی تص
خود دیکھی ہے۔ اسلامی شعائر کی پابند تمام ایرانی خواتین میں اس دور میں بھی یہ چیز بکمال د
موجود ہے۔ وہ ایک بڑی سی چادر جو ان کے ٹخنوں تک آئی ہوتی ہے۔ یا اس سے تھوڑی
اونچی، جو ان کے جسم کو پوری طرح ڈھانکے ہوئے ہوتی ہے کیا مجال ہے کہ ان کے جسم کا کو
حصہ بھی نظر آجائے اور چہرے پر بھی وہ اس طریقے سے پکڑتی ہیں کہ ایک آنکھ کھلی رہ جا
ہے۔ جس سے وہ راستہ دیکھ لیں۔ باقی سارا چہرہ ڈھپا رہتا ہے۔ مجھے سعودی عرب کے دیہ
اور بدوی زندگی کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا ہے۔ وہاں میں نے دیکھا ہے کہ عرب بدوی
خواتین اس حال میں کہ از سر تا پیر مستور[1] ہاتھ میں ڈنڈا لئے اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کی ڈار
چرا رہی ہیں۔ ہاتھوں میں دستانے اور پیروں میں موزے ہیں صرف آنکھیں کھلی ہوئی ہو
میں سمجھتا ہوں کہ یہ صحیح منشا ہے۔ ان الفاظ کا کہ

يُدْنِينَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيبِهِنَّ "وہ اپنی چادروں کے پلّو اپنے
چہروں پر لٹکا لیا کریں"

یہ ضرورت پر گھر سے باہر نکلنے کے لئے پردے (حجاب) کا پہلا حکم ہوا — یہاں یہ
گھر سے نکلنے کی 'ضرورت' کی جو قید لگائی ہے' وہ اپنی طرف سے نہیں لگائی بلکہ اس کی پا
رسول اللہ علیہ وسلّم نے لگائی ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت موجود ہے۔

قَدْ اَذِنَ اللّٰهُ لَكُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَوَائِجِكُنَّ "اللہ تعالیٰ نے تم (عورتوں) کو
اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات
کے لئے گھر سے نکل سکتی ہو"

---

[1] اسی لفظ مستور سے (جو ستر سے بنا ہے جس کے معنی کسی چیز کو چھپانے یا اوٹ میں کرنے کے
اردو میں خواتین کے لئے "مستورات" کا لفظ مستعمل ہے اغلباً یہ اصطلاح سورہ بنی اسرائیل
آیت ۴۵ "حِجَاباً مَّسْتُوْرًا" سے اخذ کی گئی ہے جس میں حجاب کا لفظ بھی موجود ہے اور
بھی۔ لیکن ہماری جو بہنیں مغربی تہذیب سے مرعوب ہو کر ستر و حجاب کو خیرباد کہہ رہی
ان کے لئے تو اب 'مستورات' کے بجائے "مکشوفات" کا لفظ موزوں ترین ہوگا۔ (مر

ضرورت کا تعین اسلامی تعلیمات کے مجموعی مزاج کو سامنے رکھ کر کیا جا سکتا ہے۔ ہو
ہے کہ کسی خاتون کے گھر میں کوئی کمانے والا مرد موجود نہ ہو۔ اس کا بھی امکان ہے کہ
نداری اور قلتِ معاش کی وجہ سے صرف مرد کی محنت و مزدوری گھر کی کفالت کے کفایت
ے۔ یا محافظِ خاندان کی بیماری یا کسی معذوری کیوجہ سے عورت باہر کام کرنے کے لئے
ر ہو جائے۔ تو شریعت نے اس کی گنجائش رکھی ہے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے
ی میں نے آپ کو سنائی۔ لیکن باہر نکلنے کے لئے ان تمام پابندیوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا جو شریعت
عائد کی ہیں۔ ویسے ایک حقیقی اسلامی ریاست میں ایسی صورت حال میں ایسے خاندان کی
ی کفالت بیت المال کے ذمے ہوتی ہے۔ لیکن اگر ملک کی معیشت اس بات کی مقتضی
عورتیں بھی اس میں ہاتھ بٹائیں تو ریاست کی طرف سے ایسے اقدامات کئے جانے چاہئیں
رول پر بھی COTTAGE INDUSTRIES کی طرز پر صنعت و حرفت کا نظام قائم ہو۔ بہت
ترقی یافتہ ممالک بالخصوص جاپان اور سوئٹزرلینڈ میں یہ تجربہ کافی کامیاب رہا۔ اگر عورت
اش کے لئے گھر سے نکلنا ہی پڑے تو وہ ستر و حجاب کے تمام احکام کی پابندی کرے۔
ے باہر جلباب یا برقعے میں نکلے* اور ایسے اداروں میں کام کرے جہاں عورتیں ہی کارکن
ظم ہوں۔ عورتوں کا مخلوط اداروں میں کام کرنے یا ٹی وی اور ریڈیو میں اناؤنسر یا اخبارات
ی وی میں اشتہارات کا ماڈل یا ائیر ہوسٹس بننے یا اسی نوع کے دوسرے ایسے پیشے اختیار
نے کا معاملہ جن میں مردوں سے براہِ راست سابقہ آتا ہو اور وہ ان کے لئے فردوسِ نظر
یں از روئے اسلام مسلم خواتین کے لئے قطعی ناجائز بلکہ حرام کے درجے میں ہے۔ نبی اکرم
ب طویل حدیث میں ہے کہ:۔

اَلْعَیْنَانِ تَزْنِیَانِ وَزِنَاھُمَا النَّظْرُ: "آنکھیں زنا کرتی ہیں اور ان کا زنا نظر ہے۔"

---

* جلباب ہی تمدنی ترقی کے ساتھ مختلف قسم کے برقعوں اور نقابوں کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ برقع اگر واقعی ساتر ہے اور اسے فیشن کا جزو نہ بنا لیا جائے۔ وہ کسا ہوا نہ ہو اور جسم کے خد و خال کو نمایاں کرنیوالا نہ ہو۔ تو یہ جلباب کی ضرورت پوری کر سکتا ہے۔ (مرتب)

میں اپنے اندازے کے مطابق عرض کرتا ہوں کہ ان پیشوں سے متعلق خواتین میں حصولِ معاش کی مجبوری کم اور جذبہ نمائش زیادہ ہے۔ آپ خود غور کیجئے کہ جو ہماری بہنیں ان پیشوں سے متعلق ہیں ان میں سے اکثر کو اپنے گھروں کی نگہداشت، گھریلو کام کاج اور بچوں کی دیکھ بھال کے لئے ملازمین رکھنے پڑتے ہوں گے۔ پھر ان پیشوں کے تقاضوں کے پیش نظر ان کو میک اپ بناؤ سنگھار اور مخصوص ملبوسات پر کافی خرچ کرنا ہوتا ہوگا۔ کنوینس کے لئے بھی اچھی خاصی رقم صرف ہوتی ہوگی۔ لہٰذا ان کی اپنی یافت میں سے ایک چوتھائی یا ایک تہائی سے زیادہ بچت بمشکل ہوتی ہوگی اس متاعِ قلیل سے شاید ان کو معمولی ریلیف ملتی ہو۔ میرے بھائی اور بہنیں ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ کیا یہ نفع کا سودا ہے یا سَراسَر خسارے کا۔ چونکہ یہ طرزِ عمل اسلامی تعلیمات سے بغاوت اور اپنی عاقبت کی بربادی اور اپنے خاندان کی روایات، شرافت اور عزت سے سرکشی کا موجب ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ میں پوری دردمندی سے اپنی ان بیٹیوں اور بہنوں سے التجا کروں گا کہ خدارا ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ وہ کیا پا رہی ہیں اور کیا کھو رہی ہیں۔!! البتہ لڑکیوں کے اسکولوں اور کالجوں میں درس وتدریس کے لئے ملازمت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ یہ صرف پیشہ ہی نہیں قومی خدمت بھی ہے۔ اسی طرح صرف عورتوں کے علاج معالجہ کے لئے طب کے پیشے کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ ایک بات اور میں اپنی بہنوں سے عرض کر دوں گا کہ بن ٹھن کر بازاروں میں شاپنگ کے لئے جانا، سیر سپاٹے کے لئے تفریح گاہوں میں جانا، مخلوط تقریبات میں شریک ہونا اور مردوں کے سامنے پریڈ کرنا یا کھیلوں میں حصّہ لینا ازروئے اسلام معصیت کے کام ہیں۔ ان امور میں کتاب وسنّت کی تعلیمات کی روشنی میں دو رائیں ممکن ہی نہیں۔

باہر نکلنے کی صورت میں دیگر ہدایات

اب تک سورہ الاحزاب کے حوالے سے پردے کے ابتدائی احکام کے بارے میں گفتگو ہوئی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا کہ پردے کے احکام کی تکمیل سورہ نور میں ہوئی ہے۔ چونکہ عورت کے باہر نکلنے کے مسئلے کی وضاحت ہو رہی ہے۔ لہٰذا اس گفتگو سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سورہ کا ایک حکم اسی موقع پر آپ کو سنا دوں جو اس مسئلے سے گہرا تعلق رکھتا ہے جو میں نے ابھی کی ہے۔ سورہ نور کے اسی کی تبیین، توضیح اور تشریح میں بے شمار احکام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث صحیحہ میں بھی مروی ہیں

حکم سورہ النور کی آیت نمبر ۳۱ کے اندر وارد ہوا ہے۔ یہ آیت بھی طویل آیات میں سے ایک ہے اور اس میں عائلی زندگی اور معاشرتی زندگی سے متعلق متعدد احکام ہیں جن کو اس مختصر وقت میں جس حد تک میرے لئے ممکن ہوگا، میں بیان کرنے کی کوشش کرونگا۔ البتہ اس موقع پر آپ آیت نمبر ۳۱ کا وہ حصہ سُن لیجئے جو سابقہ گفتگو سے متعلق ہے۔

وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ

"اور وہ اپنے پیر زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا علم لوگوں کو ہو جائے۔"

فاطرِ فطرت نے عورت کی چال اور اس کے خرام میں بھی دلکشی اور جاذبیت رکھی ہے یہ بھی اس کی ایک زینت ہے۔ اس کے ساتھ اگر زیوروں کی جھنکار بھی شامل ہو جائے تو یہ بھی مرد کی توجہ منعطف کرنے اور اس کے نفسانی محرکات و جذبات کیلئے مہمیز کا باعث ہوگی۔ لہٰذا قرآن نے اس کو سختی سے منع کر دیا۔ اسی طرح خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے کی بھی بڑی شدید ممانعت احادیث میں آئی ہے۔ خرام میں لوچ، زیورات کی جھنکار اور خوشبو کی لپک سے شیطان نفس شریر کو اکسانے کے لئے بڑا کام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اس امکان کے سدِّباب کے لئے اسلام یہ اور اس قسم کی دوسری قدغنیں عائد کرتا ہے۔

گھر کے اندر کا پردہ

میں نے عرض کیا تھا کہ پردے کے احکام سورہ نور میں جا کر مکمل ہوتے ہیں۔ اب یہ سوال سامنے رکھئے کہ گھر کے اندر کے پردے سے متعلق قرآن مجید نے کیا احکام دیئے ہیں! جلباب یا نقاب گھر کے باہر کے پردے حجاب سے متعلق ہے جس پر سورۃ الاحزاب میں احکام آ گئے تفصیل سے آ گئے۔ اب ذہن میں رکھئے کہ گھر کے اندر کے پردے (حجاب ستر) کے احکام سورہ نور کی آیات ۲۷ تا ۳۱ میں دیئے گئے ہیں۔ ان آیات میں بیان کردہ تمام احکام پر تفصیلی گفتگو کا وقت نہیں۔ لہٰذا میں ان میں سے چند بہت ہی ضروری احکام اور ان کی تشریح آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کروں گا۔

غضِ بصر

آیت نمبر ۳۰ میں تمام اہل ایمان مردوں اور آیت نمبر ۳۱ کی ابتداء میں پہلا حکم مسلمان خواتین کو غضِ بصر کا دیا جا رہا ہے۔ فرمایا:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ○

(آیت ۳۰)

"(اے نبیؐ)، مومن مردوں سے کہدیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔ یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر رہتا ہے۔"

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۖص

(آیت ۳۱ کا ابتدائی حصہ)

"اور (اے نبیؐ)، مومن عورتوں سے کہدیجئے کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اس کے جو خود ظاہر ہو جائے۔ اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔"

ان آیات میں غضِّ بصر کا جو حکم آیا ہے اس کو جن لوگوں نے یہ سمجھا ہے کہ یہ سڑک پر چلنے سے متعلق ہے، وہ بہت بڑے مغالطے میں پڑ گئے ہیں۔ سڑک پر چلنے کے متعلق تو وہ حکم ہے کہ عورتیں اپنی جلباب میں لپٹ کر اور اس کا ایک پلو چہرے پر ڈال کر نکلیں۔ راستہ دیکھنے کے لیے ان کو اپنی آنکھیں کھلی رکھنی ہوں گی۔ باہر نکلنے کے ضمن میں ایک حکم اسی آیت کے اختتام سے متصلاً قبل وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ ...... کی تشریح میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ ان آیات میں غضِّ بصر سے مراد نگاہ بھر کر نہ دیکھنا ہے۔ یعنی مرد بیوی کے علاوہ کسی محرم خاتون کو اور عورت شوہر کے علاوہ کسی محرم مرد کو بھی نگاہ بھر کر نہ دیکھے مبادا شیطان کو کسی غلط جذبے کی اکساہٹ کا موقعہ مل جائے۔ جب محرموں کے نگاہ بھر کر دیکھنے پر پابندی لگائی جا رہی ہے تو غیر محرموں کے لیے تو خود بخود اس پابندی کا وزن بہت بڑھ جائے گا۔ اس قسم کی دیدہ بازی کو آنکھ کے زنا سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ آگے جو يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، کا حکم ہے۔ اس سے متعدد ضمنی احکام مراد ہیں۔ چنانچہ اس میں ناجائز شہوت رانی سے پرہیز ہی نہیں بلکہ

ایسے تمام محرکات سے اجتناب بھی شامل ہے جو اس جذبے کی تحریک کا سبب بنیں۔ اس سے ستر پوشی کا حکم بھی مراد ہے کہ کوئی بھی ایک دوسرے کے ستر پر نگاہ نہ ڈالے۔ مرد کے ستر کے حدود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ناف سے گھٹنے تک مقرر فرمائے ہیں۔ اس حصے کو (اس میں ناف اور گھٹنے دونوں شامل ہیں) بیوی کے سوا کسی کے سامنے قصداً کھولنا شریعت نے حرام کیا ہے۔ نبی اکرمؐ نے عورتوں کا ستر ہاتھ، منہ کے سوا اس کے پورے جسم کو قرار دیا ہے چہرہ نامحرم مردوں کے لئے بھی ستر میں شامل ہے۔ چہرے اور ہاتھ کے سوا عورت کے جسم کا کوئی حصہ شوہر کے سوا کسی، اور مرد حتیٰ کہ باپ، بھائی اور بیٹے کے سامنے بھی نہیں کھل سکتا۔ البتہ مرد اور عورت دونوں کے لئے اشد طبی ضرورت کے پیش نظر طبیب اور جراح مستثنیٰ کئے گئے ہیں۔ ایسا لباس پہننے والی عورتوں کے لئے جن کا بدن کپڑوں میں سے جھلکتا ہو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "کاسیاتٍ عاریاتٍ" کپڑے پہننے کے باوجود عریاں قرار دیا ہے۔

بخاری میں حضرت ام سلمہؓ سے ایک طویل روایت کے آخری الفاظ ہیں:

رُبَّ کَاسِیَۃٍ فِی الدُّنیَا عَارِیَۃٌ فِی الْآخِرَۃِ — "دنیا میں اکثر کپڑے پہننے والیاں آخرت میں ننگی ہوں گی"۔

یہاں لیسے باریک اور ایسے چست کپڑے پہننے مراد ہیں۔ جن سے جسم جھلکے یا عورت کی رعنائی کی چیزیں نمایاں ہوں ——— اس آیت میں آگے خواتین کے گھر کے پردے کے لئے ایک اور حکم آرہا ہے۔ فرمایا:

وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ — "اور (عورتیں) اپنے سینے پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈال لیا کریں یا بُکّل مار لیا کریں"۔

"خُمُرٌ" کے معنی کسی چیز کے چھپانے کے ہیں۔ اسی سے لفظ خمارٌ بنا ہے۔ امام راغب اصفہانی (لغات عربی کے مشہور امام) نے 'مفردات قرآن' میں لکھا ہے کہ یہ لفظ خمارٌ عورت کی اوڑھنی کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کی جمع خُمُرٌ آتی ہے۔ اس سے وہ اوڑھنیاں مراد ہیں جسے اوڑھ کر سر، کمر، سینہ سب اچھی طرح ڈھانک لئے جائیں۔ اسی کو ہمارے ہاں دوپٹہ کہا جاتا ہے۔ یہ دوپٹہ باریک کپڑے کا نہیں ہونا چاہیئے۔ آج کل کی فیشن زدہ نوجوان لڑکیاں جس قسم کا دوپٹہ استعمال کرتی ہیں وہ اس حکم کے منشاء کو پورا نہیں کرتا بلکہ اس کے

بالکل خلاف ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ گھر میں رہتے ہوئے بھی یہ چیز پسندیدہ نہیں ہے کہ نوجوان لڑکی کا سینہ بغیر دوپٹے کے ہو، سر کھلا ہو اور وہ گھر میں گھوم رہی ہو، کرتے یا قمیص کا گریبان پوری طرح ساتر نہ ہو باپ اور بھائی کے سامنے بھی اس طرح آنے کی شریعت میں بالکل اجازت نہیں ہے۔ مجھے کہنے کی حاجت نہیں ہے کہ آپ لوگ جانتے ہونگے کہ عورت کے جسم میں سب سے زیادہ جاذب نظر اس کا سینہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک طرف غضِ بصر کا حکم ہے دوسری طرف بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ کا ۔ گھر میں محرموں کے لئے عورت کے چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ پورا جسم ستر ہے وہ بہر حال ڈھکا رہے گا۔ جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا کہ کسی باپ کو، اور کسی بھائی کو ان تین چیزوں کے سوا کسی اور حصّے کا کھلا دیکھنا جائز نہیں ہے۔ عورت کی رعنائی اور دلربائی اس کی کشش کو کون نہیں جانتا۔ اس لئے گھر کے ادارے میں پاکیزہ ماحول قائم رکھنا ضروری ہے۔ اس کے لئے یہ تمام احکام دیئے گئے ہیں۔ کپڑے تنگ نہ ہوں وہ باریک نہ ہوں۔ کپڑوں کی تراش خراش ایسی نہ ہو کہ عورت کے نشیب و فراز ابھریں اور نہ ہی ان سے بدن جھلکے۔ عورت کے جسم میں سینے کا ابھار وہ شے ہے کہ اس پر اگر صرف کرتہ پہن لیا جائے تو بھی وہ پوری طرح نہیں چھپے گا۔ لہٰذا اس کے لئے خاص طور پر حکم دیا گیا کہ وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوبِهِنَّ [1] لہٰذا نوٹ کر لیجئے کہ عورت کے گھر کے لئے ستر اور حجاب کے یہ آداب و شرائط اور احکام ہیں۔ ایک طرف ان ہدایات کو دیکھئے، دوسری طرف اس نقشے پر نظر ڈالئے جو عام طور پر ہمیں اپنے

---

[1] حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد مدینہ کا کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں عورتوں نے باریک کپڑے چھوڑ کر اپنے موٹے موٹے کپڑے چھانٹ کر ان کے دوپٹے نہ بنالئے ہوں۔ (سنن ابی داؤد)۔ اسی سنن ابی داؤد میں دحیہ کلبیؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مصر کی بنی ہوئی باریک ململ کی ——— ایک چادر سے ایک بڑا ٹکڑا ان کو دیا اور فرمایا کہ اس کے ایک حصّے سے اپنا کرتہ بنا لینا اور ایک حصّہ اپنی بیوی کو دوپٹہ بنانے کے لئے دیدینا لیکن اس کو تاکید کر دینا کہ 'تجعل تحتہ ثوبًا لا یصفھا' اس کے نیچے ایک کپڑا اور لگالے تاکہ جسم اندر سے نہ جھلکے۔ (مرتب)

معاشرے کے خوشحال اور تعلیمیافتہ گھرانوں میں نظر آتا ہے۔ جو ان تعلیمات کی سراسر ضد ہے۔ اسی پر اس کو بھی قیاس کر لیجیے کہ بلا جلباب یا نقاب اور دوپٹہ[1] اور بناؤ سنگھار کے ساتھ عورت کا گھر سے نکلنا شریعت کے نزدیک کس درجے کی معصیت ہو سکتی ہے!

محرم کون ہیں؟ اس سے آگے فرمایا:۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ "وہ اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں۔"

اس کے بعد اِلَّا سے مستثنیات (محرموں) کی ایک فہرست "عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ" تک چلی گئی ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس سے کونسی زینت مراد ہے جس کی مستثنیات (محرموں) کے سامنے اظہار کی اجازت دی جا رہی ہے۔ اس کو اس طرح سمجھیے کہ عورت گھر میں ہے۔ اس نے لباس پورا پہنا ہوا ہے۔ پھر بھی اس کا چہرہ ہے۔ اس کے ہاتھ پیر ہیں۔ اس نے اوڑھنی اوڑھی ہوئی ہے۔ پھر بھی اس کا ایک نسوانی وجود ہے۔ یہ تمام چیزیں زینت اور رعنائی کی حامل ہیں۔ ان میں جو زینت از خود ظاہر ہو سکتی ہے یا تیز ہوا یا کسی اور وجہ سے جلباب یا نقاب یا خمار (دوپٹہ) اڑ جائے یا چادر اور اوڑھنی کے باوجود بھی عورت کی نسوانیت کی کشش تو ختم نہیں ہو سکتی۔ اس کو آخر عورت کیسے چھپائے گی؟ عورت باپ، بھائی، بیٹے، چچا، ماموں اور دوسرے محرموں کے سامنے آئے گی۔ چنانچہ اسی آیت میں پہلے ہی فرما دیا گیا تھا کہ وہ

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا: "اپنی زینت نہ دکھائیں اس کے سوا جو از خود ظاہر ہو جائے"

ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے، کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے تو جو بات یہاں فرمائی جا رہی ہے وہ بہ آسانی سمجھ میں آجائے گی۔ اس تصریح کو سامنے رکھیے اور آیت کا متعلقہ حصہ اور اسکا ترجمہ سنیے۔ فرمایا:۔

وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا	"اور (عورتیں) اپنی زینت نہ ظاہر
لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ	کریں مگر ان لوگوں کے سامنے، شوہر
اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ	باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے

---

[1] جس دوپٹے کا کچھ رواج 'روشن خیال' طبقے کی خواتین میں باقی نظر آتا ہے اس کی حیثیت محض فیشن اور زیب و زینت کے ایک جزو کی ہے۔ (مرتب)

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْهَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ

شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے لونڈی غلام، وہ زیردست مرد جو کسی قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔"

آگے فرمایا:۔

وَلَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ

"اور وہ (عورتیں) اپنے پاؤں زمین پر مارتی نہ چلا کریں کہ اپنی زینت جو انہوں نے چھپا رکھی ہے اس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔"

اس کی تشریح میں پہلے ہی کر چکا ہوں۔ اب آیت کا اختتام ہوتا ہے۔ اس پر کہ:

وَتُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

"اللہ کی طرف رجوع کرو تم سب کے سب اے ایمان والو! تاکہ کامیابی حاصل کرو۔"

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس معاملے میں اب تک جو لغزش، غلطی اور کوتاہی ہوتی رہی ہے اس سے توبہ کرو اور اپنے طرزِ عمل کی اللہ اور اس کے رسول صلعم کی ہدایات کے مطابق اصلاح کر لو۔

استیذان کا حکم گھروں میں داخلے کے لئے بھی قرآن حکیم نے احکام دیئے ہیں۔ چونکہ اس کا بھی گہرا تعلق پردے کے آداب سے ہے۔ باہر سے کسی کو کیا معلوم کہ گھر والے کس حال میں ہیں! اجازت لینے کا طریقہ از روئے قرآن بہ آوازِ بلند 'اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ' کہنا ہے۔ نبی اکرم صلعم نے تعلیم دی ہے کہ تین مرتبہ سلام بھیجنے یا دستک دینے پر کوئی جواب نہ ملے تو واپس چلے جاؤ۔ لہٰذا اس میں دستک دینا بھی شامل ہو گیا۔ مرد اور عورت دونوں کے لئے اجازت لینی ضروری ہے۔ البتہ عورت صرف دستک دے گی۔ آں حضور صلعم کا ایک اور حکم بھی احادیث میں آیا ہے کہ اگر کوئی بغیر اجازت تمہارے گھر میں جھانکے

توتم اس کو ڈھیلا مار دے جس سے اس کی آنکھ پھوٹ جائے۔ اس پر تم پر کوئی گناہ نہیں۔ اس سے گھر اور چار دیواری کا تقدس ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں دو جگہ استیذان کا حکم آیا ہے ایک سورہ نور کی چند آیات میں آیا ہے۔ جس میں سے اس وقت میں آیت نمبر ۲۷ اور ۲۸ معہ ترجمہ آپ کو سنا دیتا ہوں

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو جب تک کہ گھر والوں کی رضا نہ لے لو اور گھر والوں پر سلام نہ بھیج لو، یہ طریقہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ توقع ہے کہ تم اس کا خیال رکھو گے۔ پھر وہاں اگر کسی کو نہ پاؤ تو داخل نہ ہو جب تک کہ تم کو اجازت نہ دے دی جائے، اور اگر تم سے کہا جائے کہ واپس چلے جاؤ تو واپس ہو جاؤ۔ یہ تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔"

غزوات اور جنگوں میں خواتین کی شرکت

ہماری چند بہنیں ان واقعات سے جو سیر اور تواریخ کی کتب میں غزوات اور اسلام کے غلبے کے لئے جنگوں میں شرکت سے متعلق آئے ہیں، ان سے یہ استدلال کرتی ہیں کہ عورتیں کو مختلف شعبہ ہائے زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے کی اجازت ہے۔ یہ استدلال ہی سرے سے غلط ہے۔ کسی استثنائی صورت حال کو عام معمولات پر منطبق کرنا کسی منطق اور دلیل سے صحیح نہیں ہے۔ اس کی حیثیت محض ریت کے ٹیلے کی ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں پھر اس مغالطے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حجاب کے احکام تدریجاً آئے ہیں اس لئے ان احکام کے نزول سے قبل غزوات میں عورتوں کی شرکت کا ثبوت ملتا ہے۔ پہلا غزوہ بدر ہوا تو اس سلسلے میں سنن ابی داؤد میں روایت آئی ہے کہ امّ ورقہ بنت نوفل نے بدر میں شرکت کی اجازت مانگی تھی لیکن نبی اکرمؐ نے ان کو اجازت نہیں دی تھی۔ اس کے بعد غزوہ احد کا معرکہ ہوا۔ جس میں مسلمانوں کا ایک غلطی کی وجہ سے کافی جانی نقصان ہوا۔ خود نبی اکرمؐ زخمی ہوئے

یہ غزوہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے مسلمانوں کے لئے انتہائی صدمے کا باعث تھا۔ یہ بڑی ہنگامی صورت حال تھی۔ اس میں چند صحابیاتؓ کی شرکت ثابت ہے جن میں سے کچھ نے باقاعدہ جنگ میں حصہ لیا اور اللہ کی راہ میں شہید بھی ہوئیں۔ اور بعض عورتوں نے زخمیوں کو پانی پلایا۔ ان کی مرہم پٹی کی اور تیر اٹھا اٹھا کر مجاہدین کو دیئے۔ پھر غزوہ احزاب (خندق) ہے۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں کہ ان تینوں غزوات کے بعد سورۃ الاحزاب اور سورہ نور کا نزول ہوا۔ جن میں حجاب اور ستر کے تفصیلی احکام آئے ہیں۔ لہٰذا ان سورتوں کے نزول سے قبل کے واقعات تو دلیل نہیں بنیں گے۔ چونکہ ابھی پردے کے احکام آئے ہی نہیں تھے ـــــ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوات میں عورتوں کی شرکت کی حوصلہ شکنی فرمائی ہے۔ اس کے متعلق چند احادیث میں آپ کو سنا دیتا ہوں۔ مسند احمد اور صحیح بخاری کی روایت ہے :۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا اَنَّهَا قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ نَرَى الْجِهَادَ اَفْضَلَ الْعَمَلِ اَفَلَا نُجَاهِدُ ! قَالَ لَا لٰكِنْ اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ	"حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہؐ ہم جہاد کو سب سے افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا نہیں۔ بلکہ تمہارے لیے سب سے افضل نیکی حج مبرور ہے۔"

صحیح بخاری کے الفاظ یہ ہیں : جِهَادُكُنَّ الْحَجُّ ـــ تمہارا جہاد حج ہے۔

غزوات میں خواتین کی شرکت کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حوصلہ شکنی فرمائی ہے اس کی واضح دلیل اور ثبوت اس واقعہ میں ملتا ہے جو غزوہ خیبر کے دوران پیش آیا جو ۷ھ میں ہوا تھا۔ اس واقعہ کو امام احمدؒ نے اپنی مسند اور امام ابو داؤد نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ یہ کتاب صحاح ستہ میں شامل ہے۔ آپ حضرات اور بہنیں اس کو توجہ سے سنیں اور خدا کے لئے غور کریں کہ جو دلیلیں وہ لے آتی ہیں وہ کس قدر غلط اور بے محل ہیں اور ان کو صحیح طور پر نہ سمجھنے سے کیا کیا مغالطے پیدا ہو رہے ہیں۔ فرمایا :

عَنْ حَشْرَجِ بْنِ زِیَادٍ عَنْ جَدَّتِهٖ اُمِّ اَبِیْهِ اَنَّهَا خَرَجَتْ مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ غَزْوَةَ	"حشرج بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوہ خیبر کے موقع پر آنحضرتؐ کے ساتھ

خیبر سادس ست نسوۃ
فبلغ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فبعث الینا فجئنا
فرأینا فیہ الغضب فقال مع
من خرجتن و باذن من خرجتن
فقلنا یا رسول اللہ خرجنا نغزل
الشعر ونعین فی سبیل اللہ و
معنا دواء للجرحی ونناول
السہام ونسقی السویق قال قمن
فانصرفن حتی اذا فتح اللہ علیہ
خیبر سہم لنا کما اسہم
للرجال فقلت لہا یا جدۃ
وما کان ذلک قالت تمراً

نکلیں۔ پانچ عورتوں کے ساتھ
چھٹی وہ تھیں۔ کہتی ہیں کہ جب
حضور اکرمؐ کو ہمارے نکلنے کی
اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ہمیں بلوایا
ہم حاضر ہوئیں تو ہم نے آپؐ کو غضبناک
پایا۔ آپؐ نے پوچھا، تم کس کیساتھ
نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں؟
ہم نے عرض کیا۔ ہم چلی آئی ہیں اون
کاتتی ہیں، کچھ اللہ کا کام کرتی ہیں۔
ہمارے ساتھ کچھ مرہم پٹی کا سامان
بھی ہے۔ ہم تیر پکڑا دیں گی ستو گھول
کے پلا دیں گی۔ آپؐ نے فرمایا چلو،
واپس جاؤ، پھر جب اللہ نے خیبر
فتح کرا دیا تو حضور اکرمؐ نے ہم کو مردوں کی طرح حصہ دیا۔ میں نے پوچھا کہ
دادی کیا چیز ملی تھی؟ دادی نے کہا: کھجوریں!"

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تیور پہچانئے۔ راویہ بتا رہی ہیں کہ ان کے نکلنے اور لشکر میں شامل ہونے پر آں حضورؐ غضب ناک ہوئے۔ آپؐ کے سوال کہ مع من خرجتن و باذن من خرجتن؟ اور پھر اس حکم سے کہ "قمن فانصرفن" سے بھی آپؐ کی ناراضگی اور برافروختگی ظاہر ہو رہی ہے۔ آپؐ نے ان خواتین کو جو کھجوریں عطا کی تھیں وہ اس لئے کہ بہرحال یہ غزوے کے لئے نکلی تو تھیں ـــــ اب اس سے قبل کے غزوات سے استدلال کیا جائے تو ان کو اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ قرآن مجید میں جب تک شراب کی حرمت نہیں آئی تھی، مسلمان شراب پیتے رہے۔ کیا اس سے شراب کے حلال ہونے پر دلیل لانا صحیح ہوگا؟ اسی طرح جب تک سود کی حرمت کا حکم نہیں آیا۔ سود لیا اور دیا جاتا رہا تو کیا اس سے سود کے حلال ہونے پر دلیل لائی جائیگی! لہٰذا ہم کو یہ بات پیش نظر رکھنی ہوگی کہ احکام تدریجاً آئے ہیں اور جب دین کا مزاج مکمل ہوا: الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم

نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْناً۔ یہ آیت آنحضورؐ کی حیاتِ طیبہ کے آخری زمانے میں نازل ہوئی ہے لہٰذا ہمیں اب بحیثیت کل شریعت اور قانون اسلامی اور دین کے مجموعی مزاج کو ہر مسئلے میں اپنے سامنے رکھنا ہوگا۔ اور اس کا اتباع کرنا ہوگا۔

صلوٰۃ بالجماعۃ اور خواتین

اس مسئلے میں دو رائیں ممکن ہی نہیں کہ اسلام کا اہم ترین رکن صلوٰۃ ہے۔ اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "عماد الدین" اور "قرۃ عینی" فرمایا ہے۔ اسی کو کفر اور اسلام میں مابہ الامتیاز قرار دیا ہے۔ پھر نماز باجماعت کی احادیث میں بے انتہا تاکید و ترغیب ملتی ہے۔ لیکن مسلمان عورت کے لئے برعکس ہدایات احادیث میں ملتی ہیں۔ اس کو اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ وہ نماز گھر ہیں ادا کرے مثلاً سنن ابی داؤد میں حضرت ابن مسعودؓ سے ایک حدیث منقول ہے۔ جس میں رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صَلٰوۃُ الْمَرْاَۃِ فِیْ بَیْتِہَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِہَا فِیْ حُجْرَتِہَا وَصَلٰوتُہَا فِیْ مَخْدَعِہَا اَفْضَلُ مِنْ صَلٰوتِہَا فِیْ بَیْتِہَا	"عورت کا اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنے کمرے میں نماز پڑھے۔ اور اس کا اپنے چورخانہ میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ وہ اپنی کوٹھڑی میں نماز پڑھے۔"
(ابوداؤد، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد)	

یہی ترغیب ایک عکسی ترتیب سے امام احمد اور طبرانی نے ام حُمید ساعدیہؓ سے روایت کی ہے:

قَالَتْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اِنِّیْ اُحِبُّ الصَّلٰوۃَ مَعَکَ قَالَ قَدْ عَلِمْتُ صَلٰوتُکِ فِیْ بَیْتِکِ خَیْرٌ لَّکِ مِنْ صَلٰوتِکِ فِیْ دَارِکِ، وَصَلٰوتُکِ فِیْ دَارِکِ خَیْرٌ مِّنْ صَلٰوتِکِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ وَصَلٰوتُکِ فِیْ مَسْجِدِ قَوْمِکِ خَیْرٌ مِّنْ	"انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ! جی چاہتا ہے کہ آپ کے ساتھ نماز پڑھوں۔ حضورؐ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے۔ مگر تیرا ایک گوشے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے حجرے میں نماز پڑھے اور حجرے میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو

صَلٰوتُكِ فِی مَسْجِدِ الْجُمُعَۃِ اپنے گھر کے دالان میں نماز پڑھے اور تیرا دالان میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھے اور تیرا اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا اس سے بہتر ہے کہ تو جامع مسجد میں نماز پڑھے۔"

جمعہ ہر مسلمان پر فرض ہے یہ نماز بغیر جماعت کے ادا ہی نہیں ہوتی لیکن اس سے بھی عورت مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد ہی کی روایت ہے۔

اَلْجُمُعَۃُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ فِی جَمَاعَۃٍ اِلَّا عَلٰی اَرْبَعَۃٍ عَبْدٍ مَمْلُوْکٍ اَوْ اِمْرَاَۃٍ اَوْ صَبِیٍّ اَوْ مَرِیْضٍ:	"جمعہ کی نماز باجماعت ادا کرنا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ مگر چار شخص مستثنیٰ ہیں غلام، عورت، بچہ اور مریض۔"

عورتوں کو مسجد میں آنے سے قطعی طور پر منع نہیں کیا گیا۔ لیکن اس کو بہت سی پابندیوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس طرح اس معاملے میں اس کی حوصلہ افزائی کے بجائے حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

عیدین اور خواتین

البتہ عیدین میں عورتوں کو لانے کی احادیث میں تاکید ملتی ہے۔ اس کی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ عیدین میں خطبہ ہوتا تھا جس میں تعلیم ہوتی ہے۔ اس لئے ان میں عورتوں کی شرکت کی تاکید ہے۔ البتہ عورتوں کے اجتماع کے لئے بالکل علیحدہ خیموں میں پورے پردے کے ساتھ اہتمام ہوتا تھا۔ پھر چونکہ اس وقت لاؤڈ اسپیکر تو تھا نہیں لہٰذا آں حضورؐ ایک خطبہ مردوں کو ان کے اجتماع میں ارشاد فرماتے اور پھر خواتین کے خیمے کے پاس جاکر دوسرا خطبہ ان خواتین کے لئے ارشاد فرمایا کرتے تھے[1]۔ جمعہ کی نماز میں عورتوں کی شرکت گو فرض نہیں نہ اس کے لئے تاکید

---

[1] صحاح ستہ میں شامل سنن ابن ماجہ میں ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی خواتین کو عیدین کی نماز کے لئے لے جایا کرتے تھے۔ اسی طرح جامع ترمذی میں ام عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ کنواری اور جوان لڑکیوں اور گھر گھرستنوں (باقی اگلے صفحہ پر)

ہے اور نہ ممانعت ہے لیکن چونکہ خطبہ جمعہ تعلیم و تذکیر اور تلقین ہوتی ہے تو ایسی مساجد ہیں جہاں مادری زبان میں اس کا انتظام ہو خواتین بالکل علیحدہ مقام پر ان شرائط کے ساتھ جو مسجد میں آنے کے لئے اسلام نے خواتین پر عائد کی ہیں میں جمع ہو کر خطبہ سن سکتی اور نماز باجماعت ادا کر سکتی ہیں عام فرض نمازوں میں عورتوں کا شریک ہونا پسندیدہ نہیں ہے چونکہ ان میں تذکیر و تعلیم اور وعظ و نصیحت کا کوئی پہلو نہیں ہے۔ یہ ہے ہمارے دین کا مجموعی مزاج۔

ایک تکلیف دہ بات اس معاملے میں ایک تکلیف دہ بات یہ ہے کہ ہمارے بعض مفتیان کرام کے اخبارات میں بیانات آئے ہیں کہ جن میں انہوں نے بلا قید اجازت دی ہے کہ خواتین دفتروں میں جائیں۔ وہاں وہ کام کر سکتی ہیں۔ یہاں تک کہا گیا ہے کہ خواتین اپنے حقوق کے لئے مظاہرے کر سکتی ہیں اور کہا گیا ہے کہ تحریک نظام مصطفیٰؐ کے موقعہ پر بھی تو مسلمان خواتین نے جلوس نکالے اور مظاہرے کئے تھے۔ ان کرم فرما حضرات میں سے بعض نے مجھے انتہا پسند قرار دیا ہے۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ "جنگ" میں خواتین سے متعلق میرے جو خیالات شائع ہوئے ہیں ان پر اسی شہر لاہور کی بعض مساجد میں جمعہ کے اجتماعات کے موقعہ پر خطیب حضرات نے فرمایا ہے کہ "ڈاکٹر اسرار عورتوں کو قید میں رکھنے کا قائل ہے۔ اسلام عورتوں کو پوری آزادی دیتا ہے اور اس نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں"۔ یہ کتنی تکلیف دہ اور افسوسناک بات ہے کہ سیاست اور فرقہ وارانہ تعصب اور گروہ بندی کی وجہ سے ہمارے ہاں دین اور قرآن کے ساتھ تلعّب (کھیل تماشہ) کا رویّہ اختیار کیا جا رہا ہے[1]۔ انہی مفتیان کرام سے اگر آپ فتویٰ لیں

تسلسل: اور ایام والی عورتوں کو عیدین میں لے جاتے تھے جو عورتیں نماز کے قابل نہ ہوتیں وہ جماعت سے الگ رہتیں خطبہ سنتیں اور دعا میں شریک ہوتیں۔ ایک اور روایت میں آنحضورؐ نے عیدین میں خواتین کو لانے کی تاکید کی ہے۔ لیکن دورِ حاضر کے علماء احناف اس کے بالکل قائل نہیں ہیں (مرتب)

[1] الحمدللہ ثم الحمدللہ ہمارے ملک میں ایسے علماءِ حق، سیاسی و سماجی زعما، تعلیم یافتہ حضرات و خواتین اور مدیرانِ اخبارات و رسائل بڑی کثیر تعداد میں موجود ہیں جن میں دین کے لئے پوری غیرت و حمیّت موجود ہے چنانچہ بعض نظری اختلافات کے (باقی اگلے صفحہ)

کہ کیا عورت مسجد میں اگر فرض نماز ادا کر سکتی ہے تو یقیناً وہ اس کی اجازت نہیں دیں گے
مدعا یہ ہے کہ یہ حضرات عیدین میں بھی عورتوں کو لانے کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ احادیث
صحیحہ میں عورتوں کو عیدین میں لانے کی صراحت کے ساتھ تاکید موجود ہے۔ لیکن وہ
دفتروں میں مردوں کے دوش بدوش خواتین کے کام کرنے کے متعلق یہ فرما رہے ہیں کہ اس
میں کوئی قباحت نہیں۔ اس طرح پر ان کا تضادِ فکری بہت نمایاں ہو کر سامنے آ رہا ہے۔
ایسے ہی رجالِ دین کے لئے علامہ اقبال مرحوم نے کہا تھا ؎

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں　　ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق

وہ مسجدوں میں عورتوں کا آنا گوارا نہیں کرتے لیکن دفتروں میں عورتوں کے جانے
کے متعلق وہ کہہ رہے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے ــــ خواتین کے لئے نماز کی
ادائیگی کی فضیلت کے جو مدارج آں حضورؐ نے متعین فرمائے ہیں، ان کو دو حدیثوں کے
حوالے سے آپ کو بتا چکا ہوں۔ غور کیجئے یہ تاکید کس لئے ہے؟ یہ اس لئے کہ عورت میں اللہ
تعالیٰ نے جو نسوانی حُسن، جو رعنائی، دلربائی اور جو کشش و جاذبیت رکھی ہے اور رکوع و
سجود کی حالت میں اس کے جسم کی جو صورت ہوتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ تنہائی میں جہاں کوئی
آنکھ اسے ان حالات میں دیکھنے والی نہ ہو نماز ادا کرنا عورت کے لئے زیادہ بہتر افضل اور
موجب اجر و ثواب ہوگا۔ لیکن وائے افسوس کہ ہماری بہنیں جسطرح بناؤ سنگھار کے ساتھ
سرکاری دفاتر اور دوسرے اداروں میں کام کرنے کے لئے جایا کرتی ہیں، جہاں مردوں کیساتھ
ملنے جلنے اور ساتھ ساتھ کام کرنے کے مواقع ہوتے ہیں، اس کی اصلاح اور سدِّباب کی

باوصف ان سب نے تجدد پسند مغرب زدہ اور مفاد پرست ایک قلیل لیکن اعلیٰ
مناصب پر فائز ہونے کی وجہ سے موثر طبقے نے ڈاکٹر صاحب کے خالص اسلامی نقطۂ
نظر پر جو شور شرابا اٹھایا تھا اس کے خلاف عین غیرتِ دینی کے تحت شدید ردِ عمل کا
اظہار کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے کیا
خوب کہا تھا ؎

نہیں ہے ناامید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی ــــ!

(مرتب)

کوشش کرنے اور ان خواتین کو اپنا اسلامی تشخص اور کردار برقرار رکھنے اور اپنی عاقبت سنوارنے کی تلقین و نصیحت کرنے کے بجائے الٹا یہ حضرات ان کو اس روش پر قائم رہنے کی شہ دے رہے ہیں۔ ؎ ببیں تفاوتِ رہ از کجا تا بہ کجا۔

دیہات کی معاشرت سے استدلال

دیہات میں عورتیں جو کام کرتی ہیں اس کو خواتین کے دفتروں میں کام کرنے کے جواز کے لئے بڑے زور و شور سے آج کل بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے۔ دیہات کی معاشرت اور شہروں کی معاشرت میں جو فرق و تفاوت ہے اس کو ہمارے بھائی اور بہنیں نظر انداز کر رہی ہیں۔ جب بحث برائے بحث اور ضد برائے ضد کی صورتِ حال پیدا ہو جائے تو ایسی صورت میں اظہر من الشمس جیسی چیزیں بھی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔ اس ضمن میں ان سے میں عرض کروں گا کہ غور کریں کہ جو اکثر خواتین دیہاتوں میں کام کرتی ہیں کیا وہ نامحرموں کے ساتھ کام کرتی ہیں؟ اگر وہ کھیت پر روٹی لے کر جاتی ہیں تو کن کے لئے؟ ظاہر ہے کہ باپ کے لئے، شوہر کے لئے، بھائی یا بیٹے کے لئے لے کر جاتی ہیں۔ اپنے کھیت میں اگر وہ کام کر رہی ہوتی ہیں تو کیا ان کے شانہ بشانہ نامحرم کام کر رہے ہوتے ہیں؟ دیہات میں عورتوں کے کام کا جو ماحول ہوتا ہے وہ اکثر و بیشتر اپنے اپنے گھروں سے متعلق ہوتا ہے۔ جہاں وہ اپنے ڈھور ڈنگروں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ وہاں نامحرموں کے ساتھ معاملہ نہیں ہوتا۔ یا اگر کوئی عورت کھیت میں کام کرنے جاتی ہے تو وہاں بھی بنیادی طور پر اس کا نامحرموں سے نہیں محرموں کے ساتھ ہاتھ بٹانے کا معاملہ ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ ہمارے دفتروں کا جو ماحول ہے اور وہاں خواتین جس سج دھج سے جاتی ہیں آخر عورت کی فطرت ہے زیب و زینت اس کی کمزوری ہے۔ کیا دیہات میں کام کرنے والی خواتین اور شہروں کی ان خواتین میں کوئی نسبت ہے؟ اس فرق و تفاوت کو سامنے رکھئے، زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس ضمن میں آخری بات میں عرض کروں گا کہ اگر ہمارے معاشرے میں دیہات میں کوئی غلط چیز ہو رہی ہو تو کیا اس کو سامنے رکھ کر آپ دین کو بدل دیں گے؟ ہماری دینی ذمہ داری تو یہ ہوگی کہ اگر دیہات میں اسلامی تعلیمات کے مطابق طور طریقے رائج نہیں ہیں تو ان کی اصلاح کی فکر کریں یا یہ کہ دیہات کے غلط طرزِ عمل اور رسوم و رواج کو دلیل بنا کر اپنی غلط روی کے لئے جواز پیدا کریں! وہاں اگر ستر و حجاب کی پابندی نہیں ہو رہی تو کرانے کی ضرورت ہے۔ بجائے اس کے کہ وہاں کی کسی غلط بات کو اپنے لئے دلیل بنائیں۔ اول تو زمین و

آسمان کا فرق ہے جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا۔ لیکن اگر کوئی کمی ہے تو اس کمی کو پورا کرنا ہوگا۔ خرابی ہے تو اصلاح کی کوششیں کرنی ہوں گی۔ چونکہ ہمارا امام قرآن ہے۔ ہمارے لئے حاکم قرآن ہے۔ ہمارے لئے اللہ اور رسولؐ کے احکام ہی حجت و دلیل اور لائقِ اتباع ہیں۔ دیہات کا کوئی طرزِ عمل اور رسم و رواج نہ ہمارے لئے دلیل و برہان ہے نہ حجت۔ — عرب کے دیہاتوں میں عرب خواتین جس طرح سترو حجاب کے ساتھ محرموں کے شانہ بشانہ کام کرتی ہیں اس کے متعلق میں اپنا مشاہدہ آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔

استثنائی صورتیں اگر جہاد و قتال فی سبیل اللہ کا کوئی ایسا مرحلہ پیش آئے کہ خواتین کی خدمات بھی ناگزیر ہو جائیں تو ایسی صورت میں مسلمان خواتین حسبِ ضرورت اس جہاد و قتال میں حصّہ لے سکتی ہیں یہ ایک استثنائی (EXCEPTION) معاملہ ہوگا۔ لیکن یہ کون سی معقول دلیل ہے کہ استثنائی اور ہنگامی یا اضطراری صورتحال کے لئے شریعت میں جو گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس کو معمولات پر بھی منطبق APPLY کیا جائے۔ اور اس استثنا کو ایک قاعدۂ کلیہ بنا کر اس سے خواتین کے لئے دفتروں، کارخانوں، ریڈیو اور ٹی وی پر کام کرنے کے لئے جواز پیدا کیا جائے — اسلام موم کی ناک نہیں ہے کہ حسبِ خواہش اسے جس طرف چاہے موڑ لیا جائے۔ یہ فعل دین کے ساتھ تلعّب کے زمرے میں آئے گا۔ جس پر قرآن میں بڑی وعید آئی ہے۔

ہمارا دین، دینِ فطرت ہے۔ اس میں تنگی نہیں رکھی گئی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ الدِّین یُسْرٌ، دین میں آسانی ہے۔ اسی طرح ایک حدیث میں آیا ہے کہ آنحضورؐ نے فرمایا یَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا آسانی پیدا کرو، تنگی پیدا نہ کرو۔ خانگی حالات ایسے ہوں کہ واقعی کوئی عورت ملازمت پر مجبور ہو جائے اور اسے گھر سے نکلنے کے سوا چارہ نہ ہو تو وہ ایسا کر سکتی ہے۔ لیکن اسے سترو حجاب کی تمام پابندیوں پر عمل کرتے ہوئے معاشی جدوجہد میں حصّہ لینا ہوگا۔ یہ ممنوع نہیں ہے۔ لیکن جہاں

لہ یہ تو بالکل ایسی ہی جسارت ہوگی کہ جیسے قرآن نے جان بچانے کے لئے مضطر کو مردار اور ایسی ہی حرام چیزوں کے غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی شرط کے ساتھ کھانے کی اجازت دی ہے — اب اضطرار کی اس اجازت کو کوئی مستقل اجازت بنانے کی حرکت کرے تو یہ معاملہ جسارت سے آگے بڑھ کر بغاوت اور طغیان کے زمرے میں آجائے گا۔

(مرتب)

بے پردگی اور مردوں کے ساتھ اختلاط کا معاملہ ہو تو اس میں حصہ لینے کی ہمارا دین قطعی اجازت نہیں دیتا۔ دیگر مستثنیات بھی ہیں مثلاً یہ کہ کوئی خاتون ڈوب رہی ہو، آگ میں گھر گئی ہو، سڑک پر چلتے ہوئے کسی حادثے سے دوچار ہوگئی ہو تو ان میں یا اسی قسم کے دیگر حادثات کی صورت میں ستر وحجاب کی قیود اور نامحرموں کے لمس کی پابندی عارضی طور پر ساقط ہو جائے گی یہ حالات حقیقی اور واقعی طور پر اضطراری حالات کہلائیں گے اور اس کی شریعت نے گنجائش رکھی ہے

ارباب اقتدار سے گذارش

اب مجھے ارباب اقتدار وقت سے کچھ باتیں عرض کرنی ہیں اگر واقعتہً خلوص کے ساتھ ان کے پیش نظر اس ملک میں اسلامی نظام کا نفاذ ہے تو انہیں سنجیدگی کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں خواتین کے مسائل کو حل کرنے کے لئے مناسب و مؤثر اقدامات کرنے چاہئیں۔ سرکاری دفاتر کی ملازمتوں، ذرائع ابلاغ اور دوسرے سرکاری یا نیم سرکاری اداروں میں عورتوں کو کھپانے سے ایک طرف مردوں کی حق تلفی ہو رہی ہے۔ دوسری طرف معاشرے میں بے راہ روی کو راہ پانے کے مواقع وسیع ہو رہے ہیں۔ پھر عورت کو اشتہارات کی زینت کے لئے جو ایک ارزاں جنس بنا رکھا ہے۔ اس پر قدغن لگائی جائے۔ یہ نہ صرف عورت کی عظمت کی تذلیل و توہین ہے بلکہ سراسر اسلام کے خلاف ہے۔ خدارا ان مسائل کا صحیح اسلامی حل نکالئے۔ اگر واقعی عورت کی خدمات ملک کی معیشت کے لئے ضروری ہیں تو حکومت اپنی نگرانی میں ایسے انتظامات کر سکتی ہے کہ گھروں میں چھوٹی انڈسٹریاں لگائے۔ کاٹیج انڈسٹری کے محلہ وار مراکز قائم کرے۔ صنعت و حرفت کے تمام بڑے بڑے اداروں کو پابند کرے کہ وہ خواتین کے کام کے بالکل علیحدہ شعبہ قائم کریں۔ اگر عورت کو مجبوراً اپنی معاش کے لئے کام پر نکلنا ہی پڑے تو وہ ستر وحجاب کی پابندی کرے اور مخلوط اداروں میں کام سے پرہیز کرے۔ قرآن نے ایک اسلامی ریاست کی ذمہ داری یہ متعین کی کہ :۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ

"ان مومنوں کو جب ہم زمین پر تمکن (حکومت) عطا کریں گے تو یہ اقامت صلوٰۃ، ایتائے زکوٰۃ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیں گے۔"

لہٰذا اسلامی تعلیمات کے مطابق خواتین کی معاش کا انتظام کرنا معروف کے درجے میں

اُٹھے گا اور عورتوں اور مردوں کا مخلوط اداروں میں کام کرنا۔ عورت کا بطور اشتہار استعمال ہونا اس کا ٹی وی پر آنا اور اسی قسم کے دوسرے تمام نمائشی کاموں میں حصّہ لینا یہ اور ایسے دوسرے تمام کام منکرات میں شامل ہیں جن کا استیصال حکومت کی ذمّہ داری ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ حکمت اور جامع منصوبہ بندی کے ساتھ ان کا سدّباب کرنے کے لئے حکومت جلد مؤثر عملی اقدامات کرے ـــــــ اسی طرح خواتین کے لئے علیحدہ یونیورسٹی اور ساتھ ہی خواتین کے فرائض سے تعلق رکھنے والے مضامین کا نصاب اور علاحدہ کالجوں کا قائم بھی جلد ہونا چاہیئے یہ بھی حکومت کی ذمہ داری ہے اور یہ کام معروف کے ذیل میں آئیں گے۔ نبی اکرمؐ کا ارشاد ہے کہ" اگر کبھی سرزمین پر اللہ کی قائم کردہ حدود میں سے ایک حد بھی نافذ ہو جائے تو اس سے جو برکت نازل ہو گی وہ چالیس شبانہ روز کی بارش کی برکت سے زیادہ ہو گی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد اس سرزمین یعنی عرب کے پس منظر کے لئے تھا۔ جہاں لوگ بارش کے لئے ترستے تھے اور بارش ان کے لئے بہت ہی بڑی نعمت تھی۔ اس حدیث کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ کی قائم کردہ حدود میں سے ایک حد (یا احکام سے کوئی حکم) بھی صحیح طور پر نافذ ہو جائے تو اللہ کی طرف سے بے نہایت برکات کا نزول وظہور ہوتا ہے۔

ایک ضروری گذارش یہ فتنہ جو اس زور وشور سے اس وقت اٹھ کھڑا ہوا ہے جیسا کہ میں نے ابتدا میں عرض کیا تھا کہ بہت پرانا ہے۔ انگریزوں کے دورِ غلامی میں یہ پیدا ہوا اور جب بھی موقع ملتا ہے۔ یہ سر اٹھاتا ہے۔ اس ضمن میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم ومغفور نے "پردہ" نامی کتاب قیام پاکستان سے قبل لکھی تھی۔ یہ سیّد مرحوم کی اس موضوع پر نہایت مدلل ومؤثر اور معرکتہ الآرا تصنیف ہے۔[1] اسی طرح قیام پاکستان کے فوراً بعد اس فتنے نے کافی زور وشور سے سر اٹھایا تھا۔ چنانچہ ۵۸ء میں اس کا سر کچلنے کے لئے مولانا امین احسن اصلاحی نے "پاکستانی عورت دوراہے پر" نامی کتاب لکھی تھی۔ یہ دونوں کتابیں بازار میں دستیاب ہیں ان کا مطالعہ کیجیے۔ اسی طرح آج کی میری گذارشات اور اس موضوع پر میں نے ۲۳ مارچ کو مرکزی انجمن خدام القرآن کے سالانہ اجلاس

---

[1] "پردہ" کے موضوع پر مولانا مرحوم کی یہ کتاب راقم کی رائے میں اتنی جامع اور اس معیار کی ہے کہ اسے تو کالج کی سطح پر باقاعدہ نصاب تعلیم میں شامل ہونا چاہیئے (مرتب)

کے موقع پر جو اظہار خیال کیا تھا دونوں کو مرتب کر کے انشاء اللہ آئندہ ماہ کے میثاق میں شائع کر دیا جائے گا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس خیال اور فکر کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے اسے عام کیا جائے۔ ہماری تعلیم یافتہ بہنوں اور بھائیوں تک اسے پہنچایا جائے۔ ہماری ایک بہت بڑی تقصیر یہ بھی ہے کہ لوگوں تک دین کی صحیح تعلیمات مدلل طریق پر پہنچانے کی کما حقہٗ کوشش سے ہم غفلت برتتے ہیں۔ اس خواب غفلت سے ہمیں جاگنا چاہئیے اور دین کی صحیح و حقیقی تبلیغ کے لئے کمربستہ ہو جانا چاہیئے۔

اختتامی کلمات میں معذرت خواہ ہوں کہ آج میں نے مقررہ ایک گھنٹے کے وقت کے بجائے ڈیڑھ گھنٹہ لے لیا ہے۔ مجھے یہ بات آپ تک پہنچانی تھی اس لئے مجبوری تھی۔ ایسے مسائل روز روز نہیں کھڑے ہوتے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آج کی تقریر کے متعلق اخبارات کے اعلانات دیکھ کر لاہور کے علاوہ دوسرے شہروں سے بھی کافی تعداد میں لوگ یہاں تشریف لائے ہیں۔ آپ تک اور ان حضرات تک مجھے امکانی حد تک بات پہنچانی تھی۔

اب میں اس دعا پر اپنی گفتگو ختم کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی راہ ہدایت دکھائے اور اس ہدایت کو ذہناً اور عملاً قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے تمام بھائی بہنوں کو اس کی توفیق دے کہ وہ دین کو اپنے پیچھے لگانے کے بجائے دین کی پیروی کا عزم مصمم کر لیں۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ،
اَللّٰهُمَّ قِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ ــــــ!
اقول قولی هٰذا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ لِیْ وَلَكُمْ وَلِسَائِرِ الْمُسْلِمِیْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

لے یہی تقاریر اب کتابی شکل میں شائع کی جا رہی ہیں جس کو پھیلانا اور دوسروں تک خاص طور پر تعلیم یافتہ خواتین تک پہنچانا ان شاء اللہ تعاون علی البر میں شمار ہوگا۔ (مرتب)

ضمیمہ جات

★

★

اِسلام اور عورت

اس موضوع پر اس کتاب میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے دو خطابات کو یکجا کر کے شائع کیا گیا ہے۔ اس میں وقت کی کمی وجہ سے جن نکات کا اجمالاً یا کنایۃً ذکر ہے یا جن کا تذکرہ رہ گیا ہے۔ اس عاجز نے کوشش کی ہے کہ ان کا اختصار کے ساتھ اس مضمون میں بیان ہو جائے:

خاکسار جمیل الرحمن عفی عنہ

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ایک ایسی ریاست میں جس کا نام " اسلامی جمہوریہ پاکستان " ہے جس کے قیام کا مقصد ہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ تھا۔ جس کے دستور کی قرارداد مقاصد میں حاکمیت الٰہیہ (ان الحکم الا للّٰہ) کا اصول طے شدہ ہے اور جس میں یہ صراحت بھی موجود ہے کہ اس ملک میں "کوئی قانون سازی قرآن و سنت کے خلاف نہیں کی جاسکے گی"۔ مزید جس ملک کے سربراہ اور حاکم وقت تقریباً پانچ سال سے مسلسل اپنی تقاریر، بیانات اور انٹرویوز میں اس بات کا اعلان و اظہار فرماتے رہتے ہیں کہ انہوں نے اقتدار ہی اس عزم بالجزم کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے کہ وہ اس ملک میں اسلامی نظام قائم کریں گے اور چادر اور چار دیواری کے احترام و تقدس کو بحال کریں گے۔ یہ بات انتہائی افسوس اور دردناک ہے کہ ستر و حجاب اور عورت کے اصل مقام یعنی قرارنی البیوت کے اوامر و احکام اور عورت کے تبرج جاہلیہ یعنی بے حجابانہ طور پر سج دھج، بناؤ سنگار اور غیر ساتر لباس کے ساتھ مخلوط اداروں میں کام کرنے، بلا ضرورت مٹر گشت کرنے کے لئے شریعت میں ممانعت اور جو نواہی آئے ہیں ان کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی جارہی ہے اور اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ اس کو عین اسلام قرار دیا جارہا ہے۔ ایک معصیت اور برائی وہ ہوتی ہے جس پر ایک مسلمان کا ضمیر اسے ملامت کرتا رہتا ہے۔ وہ شعوری طور پر جانتا ہے کہ وہ غلط کام کر رہا ہے۔ لیکن

ایک برائی اور معصیت وہ ہوتی ہے جس کو وہ گناہ خیال ہی نہیں کرتا بلکہ مسلمان کہلاتے ہوئے بھی وہ اسے صحیح سمجھتا ہے، اس پر اصرار کرتا ہے تو اس کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اپنے دین سے بغاوت کر رہا ہے اس لئے کہ اسلامی معاشرت، سماج اور عائلی نظام کے متعلق قرآن حکیم میں سب سے زیادہ تفصیلی احکام آئے ہیں۔ اس کی حکمت بھی بادنیٰ تامل سمجھ میں آجاتی ہے کہ ایک معاشرے اور ریاست کی اکائی خاندان ہوتا ہے۔ ان ہی کے مجموعے سے 'اجتماعیت'، معاشرہ اور ریاست وجود میں آتی ہے۔ لہٰذا اسلامی شریعت خاندان کے ادارے کو مستحکم بنیادوں پر صالح بنانا چاہتی ہے۔ تاکہ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ اور نظام مملکت صحیح خطوط پر قائم ہو سکے اور ترقی وارتقاء کی منازل طے کرتا چلا جائے۔ چادر اور چہار دیواری کے احترام و تقدس کی بحالی کا جو واضح مقصد سمجھ میں آتا تھا وہ یہی تھا کہ پاکستان میں اسلامی معاشرت کے تقاضے پورے کئے جائینگے۔ لیکن معاملہ بالکل برعکس نظر آ رہا ہے۔

جو لوگ اسلام کے نظام معاشرت کو موجودہ دور کے "تقاضوں" کے مطابق نہیں سمجھتے اور اس کو تبدیل کرنے پر مصر ہیں۔ اپنی حقیقت اور روح دونوں اعتبارات سے یہ رویّہ اسلام کے خلاف اظہار عدم اعتماد VOTE OF NO CONFIDENCE ہے۔ ہم بڑی دردمندی اور دلسوزی اور نصح و خیر خواہی کے ساتھ اس طبقے سے التجا کرتے ہیں کہ خدارا اپنی آخرت کی ابدی زندگی کو دنیا کی عارضی چمک دمک اور نمود و نمائش کیلئے برباد نہ کریں۔ ایسے لوگوں کیلئے قرآن حکیم میں بڑی وعیدیں آئی ہیں، جن میں سے دو کا حوالہ کافی ہوگا۔ پہلی آیت سورہ بقرہ کی ہے، فرمایا:۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○	"کیوں نہیں جو ایک بدی کمائے گا اور اپنی اسی خطاکاری کے چکر میں پڑا رہے گا تو وہ دوزخی ہے اور وہ ہمیشہ اس میں رہے گا"
(آیت ۸۱)	

یعنی ایک مدعی ایمان کسی برائی کا ارتکاب کرے پھر اس پر ڈیرہ ڈال کر بیٹھ جائے۔ اس کو برائی سمجھنا ہی چھوڑ دے اور اسے عین صواب سمجھنے لگے اسی پر مصر ہو تو وہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں رہے گا۔

دوسری سورہ الصف کی آیات نمبر ۲، ۳ ہیں، فرمایا:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۞

"اے ایمان والو! تم وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو! اللہ کے نزدیک یہ نہایت ناپسندیدہ اور انتہائی بیزاری کی حرکت ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو!"

یعنی ایک طرف یہ دعویٰ کہ ہم مومن ہیں، ہمارا دستورِ حیات قرآن ہے۔ ہمارے لئے مشعل اور دلیل راہ سنّت ہے۔ ہم اسلامی نظام کو ایک مکمل و اکمل نظام سمجھتے ہیں۔ اسی کا نفاذ و استحکام ہمارا نصب العین ہے۔ لیکن ہمارا انفرادی و اجتماعی طرزِ عمل، دستورِ زندگی، بشمول، نظام ہائے حکومت و سیاست، معیشت و معاشرت تمام کی تمام قرآن و سنّت کے خلاف ہے۔ تو قول و عمل کا یہ تضاد اللہ کے غصّے کو اتنا بھڑکاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے سخت بیزار ہو جاتا ہے۔

اسلام میں عورت کے لئے ستر و حجاب اور اس کے اصل دائرہ کار کے متعلق جو احکام آئے ہیں ان پر ہر مکتب فکر کے ائمہ مجتہدین کا اجماع رہا ہے۔ صرف ایک مسئلہ میں اختلاف ہے کہ چہرے کی ٹکیہ بھی گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں ستر میں شامل ہے یا نہیں۔ جو اس کو ستر میں شامل نہیں کرتے وہ بھی سر کو ستر میں شامل کرتے ہیں اور چہرے کی زیب و زیبائش MAKE UP کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ ایسے متفق علیہ مسئلے کے خلاف ہمارے ملک کے اخبارات و جرائد میں مسلسل مضامین، مراسلات اور بیانات کا آنا انتہائی افسوسناک اور قابلِ مذمت ہے۔ خصوصاً اس دورِ حکومت میں جو اس ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی اقدامات کئے جانے کی دعویدار ہے۔

فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِى الْاَبْصَارِ ۞ ان تمہیدی کلمات کے بعد مرد و عورت کے متعلق اسلامی تعلیمات پیش ہیں۔

دینی اور اخلاقی حیثیت سے مرد و عورت مساوی ہیں!!

اس ضمن میں مزید تفہیم کے لئے حسب ذیل تین آیات پیش ہیں:۔

(۱) وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا

(النساء ۱۲۴)

"اور جو نیک عمل کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، تو ایسے ہی لوگ جنّت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرّہ برابر حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔"

(۲) مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزَىٰٓ اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝ (المومن آیت ۴۰)

"جو برائی کرے گا اس کو اتنا ہی بدلہ ملے گا جتنی اس نے برائی کی ہوگی اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ وہ مومن ہو۔ تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے، جہاں ان کو بےحساب رزق دیا جائیگا

(۳) سورۃ الزلزال میں وہ اصول بیان فرمادیا جو پوری نوع انسانی کے لئے ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝ (آیات ۷-۸)

"پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی (آخرت میں) وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو (آخرت میں) دیکھ لے گا"

اب چند وہ امور پیش ہیں جن میں مرد و عورت کیلئے علیحدہ علیحدہ دائرہ کار دین نے مقرر کئے ہیں۔

جنازے اور عورت

مسلمانوں کے لئے جنازے میں شرکت کرنا شریعت نے فرض کفایہ قرار دیا ہے۔ اس کے متعلق احادیث میں جو تاکید آئی ہے وہ سب مردوں کے لئے ہے۔ عورتوں کو اس میں شرکت سے منع کیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں سختی نہیں کی گئی ہے لیکن اس بات کو واضح کردیا گیا ہے کہ عورت کی شرکت میں کراہت ہے۔

بخاری میں اُم عطیہؓ سے روایت ہے:۔

نهينا عن اتباع الجنائز ولم يعزم علينا

ہم کو جنازوں کو متابعت سے منع کیا گیا مگر سختی کے ساتھ نہیں

فقہ حنفی کا مستقل موقف یہ ہے کہ نمازہ جنازہ میں شرکت مردوں کے لئے فرض کفایہ ہے۔ لیکن عورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان کی شرکت مکروہ تحریمہ ہے۔

زیارت قبور اور عورت

قبور کی زیارت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ عورت رقیق القلب اور جذباتی ہوتی ہے۔ اس لئے اپنے قریبی مُردوں کی قبروں پر اس کے ہاتھ سے صبر کا دامن چھوٹ جانے کا شدید احتمال ہے۔ لہٰذا ان کو کثرت سے زیارت قبور کے لئے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ

لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زوارات القبور — نبی اکرمؐ نے قبروں پر بکثرت جانے والیوں کو ملعون ٹھہرایا۔

مجلس نکاح اور عورت

عقدِ نکاح ہی سے ایک مرد کے لئے عورت سے تمتع جائز ہوتا ہے۔ اسی سے ایک نئے خاندان کی داغ بیل پڑتی ہے لیکن مجلسِ نکاح میں دلہن خود نہیں آسکتی۔ کنواری عورت سے ولی یا اس کا وکیل اجازت لے گا۔ دو گواہ ہونے ضروری ہیں۔ وکیل اور گواہوں کا محرم ہونا بھی شرط ہے۔ عورت نہ وکیل بن سکتی ہے نہ گواہ خواہ وہ ماں اور بہنیں ہی کیوں نہ ہوں۔

باکرہ لڑکی سے اجازت ضروری ہے

نکاح کے معاملے میں مرد بالکل آزاد ہے۔ وہ اپنے بزرگوں کی اجازت کا پابند نہیں۔ وہ صرف مشرک عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتا: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ لیکن باکرہ عورت کے نکاح کے لئے اس کی اجازت ضروری ہے۔ البتہ بیوہ پر ایسی پابندی نہیں ہے۔ ارشادِ نبویؐ ہے:۔

الایم احق بنفسها من ولیها — بیوہ اپنے معاملے میں فیصلہ کرنے کا حق اپنے ولی سے زیادہ رکھتی ہے۔

لا تنکح البکر حتی تستاذن — "باکرہ لڑکی کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس سے اجازت نہ لے لی جائے۔"

قرآن مجید میں ہے:۔

فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ — "ان سے ان کے گھر والوں کی اجازت لے کر نکاح کرو۔"

اس آیت میں باکرہ لڑکی مراد ہے۔ جس طرح حدیث میں بیوہ کو نکاحِ ثانی کے فیصلے میں مختار کیا گیا اسی طرح مطلقہ (جو شوہر دیدہ ہو) بھی مختار ہے۔

عورت کا نکاح ثانی اور دیگر مذاہب

ہندو مت میں طلاق کا تصور ہی موجود نہیں تو عورت کے لئے نکاحِ ثانی کا کیا سوال! بیوہ ہونے کی صورت میں ان کے اصل دھرم کا حکم تو یہ ہے کہ اس کو ستی کر دیا جائے یعنی شوہر کے ساتھ اسے بھی زندہ جلا دیا جائے ——— رہا دنیا کے ایک اور بڑے مذہب عیسائیت کا معاملہ تو مرد عورت کو صرف بدچلنی کا واضح ثبوت ملنے کی صورت میں طلاق دے سکتا ہے

ان کے مذہب میں اس مطلقہ عورت سے کسی کو شادی کی اجازت نہیں ہے۔ بیوہ اگرچہ دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔ لیکن اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ لیکن اسلام نے ان تمام عورتوں کو نکاح ثانی کا غیر مشروط حق دیا ہے۔ جن کے نکاح از روئے شریعت فسخ کئے گئے ہوں یا جن کو حکم تفریق کے ذریعے جدا کیا گیا ہو۔ یا ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہو یا جو بیوہ ہوگئی ہوں۔ ایسی تمام عورتوں کے نکاح ثانی میں رکاوٹ بننے کا حق نہ سابق شوہر کو حاصل ہے نہ اس کے کسی رشتہ دار کو —— یہ وہ حق ہے جو اسلام نے آج سے چودہ سو سال قبل عورتوں کو دیا تھا۔ ترقی و تمدن کے بلند بانگ دعاوی کے باوجود یہ حق آج تک یورپ کے متعدد ملکوں اور امریکہ کی ریاستوں میں بھی عورتوں کو نہیں ملا ہے۔

عورتوں کے گھر سے نکلنے کے سلسلے میں اسلامی تعلیمات

مرد اپنے اختیار سے جہاں چاہئے جا سکتا ہے۔ لیکن عورت خواہ کنواری ہو یا شادی شدہ یا بیوہ و مطلقہ ہو سفر میں محرم کے بغیر نہیں نکل سکتی۔ سفر کی مدت میں البتہ اختلاف ہے۔ ایک روایت میں تین دن اور اکثر روایات میں ایک دن رات کی مدت مقرر ہے۔ ان ہدایات کا اصل مفاد یہ ہے کہ عورت کو تنہا سفر کے لئے نقل و حرکت کی آزادی نہ دی جائے —— حد یہ ہے کہ حج کے لیے جو ایک فرض عبادت ہے عورت محرم کے بغیر نہیں جا سکتی چاہے وہ مالی حیثیت سے ذاتی طور پر استطاعت رکھتی ہو۔ اس کے ساتھ محرم ہونا ضروری ہے۔ اگر محرم خود مستطیع نہ ہو تو عورت اس کا زادِ راہ برداشت کرے۔ محرم کے بغیر استطاعت کے باوجود یہ فرض عبادت عورت سے ساقط ہو جائے گی۔

شوہر کی اجازت کے بغیر عام ضروریات و حوائج کے علاوہ عورت کو گھر سے نکلنے کی آنحضور ﷺ نے نہایت سخت انداز سے ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

اِذَا خَرَجَتِ الْمَرْأَۃُ مِنْ بَیْتِھَا وَزَوْجُھَا کَارِہٌ لَعَنَھَا کُلُّ مَلَکٍ فِی السَّمَاءِ وَ کُلُّ شَیْئٍ مَرَّتْ عَلَیْہِ غَیْرُ الْجِنِّ وَ الْاِنْسِ حَتّٰی تَرْجِعَ

"جب عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف گھر سے نکلتی ہے تو آسمان کا ہر وہ فرشتہ اس پر لعنت بھیجتا ہے اور جن و انس کے سوا ہر وہ چیز جس پر سے وہ گزرتی ہے، پھٹکار بھیجتی ہے، تاوقتیکہ وہ واپس نہ ہو۔"

سنن ابی داؤد میں ایک طویل روایت ہے جس میں بیان ہے کہ آنحضورؐ نے دیکھا کہ مسجد سے نکلتے وقت مرد اور عورتیں مل جاتے ہیں تو آپؐ نے عورتوں کو ہدایت فرمائی :-

اسْتَأْخِرْنَ فَإِنَّهُ لَيْسَ لَكُنَّ أَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِيقَ، عَلَيْكُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِيقِ فَكَانَتِ الْمَرْأَةُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتَّى أَنَّ ثَوْبَهَا يَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ مِنْ لُصُوقِهَا۔ (ابوداؤد)	"تم پیچھے ہو جاؤ، تمہارے لئے راستہ کے بیچ میں چلنا ٹھیک نہیں ہے۔ تم راستہ کے کنارہ سے چلو۔ چنانچہ اس حکم کے بعد عورتیں بالکل دیوار سے لگ جاتیں۔ یہانتک کہ ان کی چادریں دیوار سے الجھتی تھیں۔"

ایک روایت میں آتا ہے کہ نماز کے بعد آنحضرتؐ مسجد میں اتنی دیر ٹھہرتے کہ عورتیں پہلے نکل جائیں تاکہ راستے میں مردوں سے خلط ملط نہ ہو۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے بعد میں مسجد نبوی کا ایک دروازہ عورتوں کے لئے مختص فرما دیا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ نبی اکرمؐ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی مرد دو عورتوں کے درمیان سے چلے۔

عورت ایسا زیور پہن کر باہر نہیں نکل سکتی جس میں جھنکار ہو۔ اس کی ممانعت کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے (جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب اپنی تقریر میں دے چکے ہیں) عطر لگا کر گھر سے نکلنے کی آں حضورؐ نے سختی سے ممانعت فرمائی ہے۔ جامع ترمذی میں روایت ہے۔

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَعْطَرَتْ فَمَرَّتْ بِالْمَجْلِسِ فَهِيَ كَذَا (اى زانیہ)	"آپؐ نے فرمایا جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے درمیان سے گذرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔"

باہر جانے کی صورت میں عورت کو ایسی خوشبو لگانے کی اجازت ہے جس کا چاہے رنگ ہو مگر وہ پھیلنے والی خوشبو نہ ہو۔ وطیب النساء لون ولا ریح لہٗ ـــــ ایک روایت میں ہے کہ ایک عورت پھیلنے والی خوشبو لگا کر مسجد نبویؐ سے آرہی تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ نے اس کو ہدایت کی کہ گھر جا کر اس طرح غسل کرو جیسے غسل جنابت کیا جاتا ہے۔

نکاح اور اہل کتاب

مرد جس طرح کسی مسلمان عورت سے نکاح کرنے میں آزاد ہے اسی طرح وہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی عورتوں سے بھی نکاح کرنے میں آزاد ہے۔ وہ لونڈی سے بھی متع کر سکتا ہے۔ لیکن عورت کو اس معاملے میں

قطعی پابند کیا گیا ہے۔ اس کے لئے اہل کتاب مرد سے نکاح حرام ہے سورۃ الممتحنۃ (آیت ۱۰) میں اس کی واضح طور پر حرمت موجود ہے۔

لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ — "نہ یہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ ان کے لئے حلال"۔

مراد اہل کتاب ہیں۔ اسی طرح مرد اپنی لونڈی سے تمتع میں آزاد ہے۔ لیکن عورت کے لئے یہ حرام ہے۔ خلافت فاروقی میں ایک عورت نے مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ سے غلط تاویل کر کے اپنے غلام سے تمتع کر لیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے اصحاب شوریٰ سے مشورہ کیا جس کا متفقہ فیصلہ تھا کہ اس عورت نے کتاب اللہ کو غلط معنی پہنائے" اس عورت کو سزا دی گئی۔

تعدد ازدواج سورۃ النساء میں مرد کو عدل و قسط کی شرط کے ساتھ بیک وقت چار بیویاں اپنے نکاح میں رکھنے کی اجازت ہے لیکن عورت کے لئے یہ قطعی حرام ہے۔

عورت کا لباس لباس ایک تمدنی ضرورت ہے۔ اس کی ایک غایت موسمی اثرات سے حفاظت ہے اور زینت بھی اور اس کی اصل غایت اور سب سے اہم مقصد ستر ہے۔ عورت کے لئے ایسا لباس پہننا جس سے ستر و حجاب کے حدود ٹوٹتے ہوں۔ جائز نہیں۔ رُب کاسیہ اور کاسیات عاریات احادیث کا حوالہ ڈاکٹر صاحب کے خطاب میں آچکا ہے۔ سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ "اسماءؓ بنت ابو بکرؓ، آنحضرتؐ کے پاس آئیں اور نہایت باریک کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ آپؐ نے ان کو دیکھا تو منہ پھیر لیا اور فرمایا اے اسماء! جب عورت بالغ ہو جائے تو بجز اس کے اور اس کے اس کے جسم کا کوئی حصہ نظر نہیں آنا چاہیئے"۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ یہ ارشاد فرما کر آنحضورؐ نے چہرہ اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ کیا ——— خیال رہے کہ یہ ستر و حجاب کے احکام کے نزول سے قبل کا واقعہ ہے۔

عورت اور سیاست کسی ریاست کا سب سے اہم اجتماعی شعبہ نظام مملکت ہے۔ اس دائرہ کار میں عورت کا کوئی حق نہیں رکھا گیا۔ یہ شعبہ بالکلیہ مرد کے سپرد ہے۔ اس مسئلے میں قرآن مجید کی واضح نصوص الرجال قوامون علی النساء، وقرن فی بیوتکنّ اور وللرّجال علیھن درجۃ ہیں۔ اس ضمن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی واضح ہدایات و تعلیمات یہ ہیں کہ:

عن ابی بکرۃ قال لما بلغ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم ان اھل فارس
ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن
یفلح قوم دلوا امرھم امرأۃ ۔

(بخاری، ترمذی، نسائی)

"ابو بکرہؓ سے روایت ہے، انہوں
نے بیان کیا کہ جب رسول اللہؐ کو معلوم
ہوا کہ ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا
بادشاہ بنایا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ
قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمام کار ایک عورت کے حوالہ کر دی ہے۔"

(۲) عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اذا کانت امراءکم
خیارکم واغنیاءکم سمحاءکم
وامورکم شوریٰ بینکم فظھر
الارض خیر لکم من بطنھا، واذا
کانت امراءکم شرارکم واغنیاءکم
بخلاءکم وامورکم الی نساءکم
فبطن الارض خیر لکم من ظھرھا
(ترمذی)

"ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ
نے ارشاد فرمایا، جب تمہارے حاکم
اچھے لوگ ہوں اور تمہارے مالدار تم میں
زیادہ سخی ہوں اور تمہارے معاملات
مشورے سے طے پائیں تو زمین کی پیٹھ
اس کے پیٹ سے تمہارے لئے زیادہ
بہتر ہے، اور جب تمہارے حاکم شریر
لوگ ہو جائیں اور تمہارے مالدار
بخیل ہو جائیں اور تمہارے معاملات
تمہاری عورتوں کے سپرد ہو جائیں تو زمین کا پیٹ اس کی پیٹھ سے تمہارے لئے
زیادہ بہتر ہے۔"

صدر اوّل کی تاریخ میں عملی سیاست میں حصہ لینے کی صرف ایک مثال ملتی ہے۔ وہ یہ کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ حضرت عثمانؓ کے خون ناحق کا مطالبہ لے کر اٹھیں جس کے نتیجے میں حضرت علیؓ اور انؓ کی فوجوں میں جنگ ہوئی جس کا نام جنگ جمل ہے۔ اس بات قطع نظر کہ کس فریق سے اجتہادی غلطی ہوئی۔ حضرت عبد اللہؓ ابن عمرؓ کی رائے جو ایک غیر جانبدار شخصیت تھے اور جن کے علم و تقویٰ پر کوئی انگلی نہیں اٹھا سکتا تھا، یہ تھی کہ :

ان بیت عائشۃ خیر لھا من
ھودجھا ۔

"حضرت عائشہ کا گھر ان کے ہودج
سے بہتر تھا۔"

حضرت علیؓ نے بھی ام المومنینؓ کو پیغام بھجوایا تھا کہ "عورتوں کو جنگ اور مردوں کے

معاملات میں پڑنے سے کیا تعلق ہے"۔ حضرت عائشہؓ بعد میں اپنے اس عمل پر اظہار پشیمانی کرتی رہیں اور اس پر استغفار کرتی رہیں۔ اس مثال میں قابل غور امور یہ ہیں اول یہ کہ یہ ایک ہنگامی نوعیت کا معاملہ تھا۔ اس کو بالالتزام ملک کی سیاسیات اور حکومت کے معاملات میں حصہ لینے کیلئے دلیل بنایا ہی نہیں جا سکتا دوسرے یہ کہ اپنے اس اقدام پر ام المومنینؓ تمام عمر پشیمان بھی رہیں اور استغفار کرتی رہیں۔ تیسرے یہ کہ حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر اصحاب رسولؐ نے اس عمل کو عورت ہونے کے ناطے سے ان کے دائرہ عمل سے باہر کا اقدام قرار دیا۔

غزوات میں عورتوں کی شرکت

اس موضوع پر مولانا امین احسن اصلاحی کی معرکۃ الآرا تالیف "پاکستانی عورت دوراہے پر" سے ایک اقتباس درج ذیل ہے جو مولانا نے "الاستیعاب" کے حوالہ سے نقل فرمایا:

"اس حقیقت کی ایک بہت بڑی شہادت آنحضرتؐ کے زمانے کے ایک واقعہ سے بھی ملتی ہے۔ اسماء بنت زید انصاریہ ایک مشہور دیندار اور عقلمند صحابیہ اور مشہور صحابی معاذؓ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے۔ سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرنے آئی ہوں اور وہی رائے رکھتی ہیں جو میں گذارش کر رہی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپؐ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپؐ کی پیروی کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی اور گھروں کے اندر بیٹھنے والی ہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہش نفس پوری کرلیں۔ اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ و جماعت، جنازہ و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار کی حفاظت کرتی اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں تو کیا اجر میں بھی ان کے ساتھ ہم کو حصہ ملے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور فرمایا کیا تم نے ان سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سنی ہے۔ جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟ تمام صحابہؓ نے قسم کھا کر اقرار کیا کہ "نہیں یا رسول اللہ" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسماءؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا اے اسماء! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو

کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں ـــــ۔

حضرت اسماءؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی گئیں ـــــ" اس کے بعد مولانا اصلاحی رقمطراز ہیں:-

"حضرت اسماء نے صرف اپنے زمانے ہی کی خواتین کی نمائندگی نہیں فرمائی بلکہ بعض پہلوؤں سے ہمارے زمانے کی خواتین کی بھی پوری پوری نمائندگی کر دی ہے۔ اس زمانہ میں آزادیٔ نسواں کی علمبردار عورتیں جو کچھ کہتی ہیں اس کی ایک بڑی اہم وجہ تو یہی ہے کہ وہ فرائض ان کو حقیر نظر آتے ہیں جو قدرت نے ان کے سر ڈالے ہیں اور وہ فرائض ان کو معزز و محترم نظر آتے ہیں جو مردوں سے متعلق ہیں۔ اس وجہ سے وہ کہتی ہیں کہ یہ کیا ناانصافی ہے کہ ہم عورتیں تو زندگی بھر بچے لادے لادے پھریں اور چولہے چکی کی نذر ہو کے رہ جائیں اور مرد ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کے فیصلے کرتے پھریں! اور پھر وہ مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کو بھی مردوں کے دوش بدوش ہر میدان میں جدوجہد کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ حالانکہ وہ غور کریں تو اس بات کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہے کہ ایک مردِ مجاہد جو میدانِ جنگ میں جہاد کر رہا ہے اس کا یہ جہاد ہو نہیں سکتا جب تک اس کے پیچھے ایک مجاہدہ بچوں کے سنبھالنے اور گھر کی دیکھ بھال میں اپنی پوری قوتیں صرف نہ کرے!!! میدان جنگ کا یہ جہاد گھر کے جہاد ہی کا ایک پرتو اور مرد کی یہ یکسوئی عورت کی قربانیوں کا ایک ثمر ہے۔ اس لئے مردِ خدا اگر، خدا کی راہ میں لڑ رہا ہے تو تنہا مرد ہی نہیں لڑ رہا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ خدا کی وہ بندی بھی مصروف پیکار ہے جس نے مرد کو زندگی کے دوسرے محاذوں پر لڑنے سے سبکدوش کر کے اس میدان جنگ کے لئے فارغ کیا ہے اور گھر کے مورچہ کو اس نے خود سنبھال رکھا ہے۔ جذبات سے الگ ہو کر صحیح صحیح موازنہ کر کے اگر دیکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے؟ کہ ان دونوں جہادوں میں سے کوئی بھی کم ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟ انصاف یہ ہے کہ دونوں یکساں ضروری ہیں اس لئے خدا کی نگاہوں میں دونوں کا اجر و ثواب بھی یکساں ہے۔"

جو خواتین وحضرات غزوات میں صحابیات کی شرکت کی بعض استثنائی نظیروں سے عورتوں کو مردوں کے ساتھ زندگی کے ہر شعبے میں کام کرنے کے لئے استدلال کرتی ہیں وہ اگر نیک نیتی سے کسی مغالطے میں مبتلا ہیں تو صرف یہی حدیث ان کا مغالطہ دور کرنے کے لئے کافی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

عورت، اقبال کے کلام میں

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی کتاب "نقوش اقبال" سے ماخوذ

علامہ اقبال مرحوم کے ان منتخب اشعار کے بحیثیت مجموعی مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ علامہ کے نزدیک شرعی پردے کا اہتمام مسلمان خاتون کے لیے از حد ضروری ہے اور اسی پردے کے باعث عورت یکسو ہوکر اپنی صلاحیتوں کو اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر میں لگاکر بہتر کارگزاری کر سکتی ہے۔ تاہم ضرورت کے تحت پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ وہ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے۔ اس ضمن میں فاطمہ (طرابلس کی مجاہدہ) علامہ کے نزدیک ایک مثالی کردار ہے۔ نیز ان اشعار کے مطالعہ سے یہ بات مبرہن ہوکر سامنے آتی ہے کہ علامہ کے نزدیک عورت کی مقدس ترین حیثیت وہ ہے جو ماں اور ممتا کی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اسی لیے علامہ معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مقام کو مرکزی مقام قرار دیتے ہیں۔

جدید اردو شاعری میں غالباً حالی و اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی آلودگی، عریانیت، اور سطحیت نہیں ملتی۔ بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام و احترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا بڑا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اقبال عورتوں کے لئے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا جس میں عورتیں مروجہ برقع کے نہ ہوتے ہوئے بھی شرم و حیا، اور احساس عفت و عصمت میں آج سے کہیں زیادہ آگے تھیں، اور شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب ان کو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انھوں نے اس کا زوردار ماتم کیا:۔

فاطمہ! تو آبروئے امتِ مرحوم ہے
ذرہ ذرہ تیری مشتِ خاک کا معصوم ہے

یہ سعادت حورِ صحرائی تری قسمت میں تھی
غازیانِ دیں کی سقائی تری قسمت میں تھی

یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوقِ شہادت کس قدر

یہ کلی بھی اس گلستانِ خزاں منظر میں تھی
ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

اپنے صحرا میں بہت آہو ابھی پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے

رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے
ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے

ہے کوئی ہنگامہ تیری تربتِ خاموش میں
پل رہی ہے ایک قومِ تازہ اس آغوش میں

انھیں ہنروران ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت کے نام کا غلط استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور مقصدیت کو صدمہ پہنچاتے ہیں، وہ اپنی ایک نظم میں کہتے ہیں ـــ

چشمِ آدم سے چھپاتے ہیں مقاماتِ بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس
آہ بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار

وہ "دخترانِ ملت" سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں کفر ہے، بلکہ انھیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت اور پاکیزہ نگاہی سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہیے ـــ

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا
مسلماں را نہ زیبد کافری ہا

منہ دل بر جمالِ غازہ پرور
بیاموز از نگہ غارتگری ہا

وہ کہتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردہ کے اہتمام کیساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہیے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریمِ کائنات اس طرح روشن رہے، جس طرح ذاتِ باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے ـ

ضمیرِ عصرِ حاضر بے نقاب است — کشادش در نمود رنگ و آب است
جہاں تابی ز نورِ حق بیاموز — کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امینِ ممکنات ہے اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظامِ زندگی سنبھل نہیں سکتا ؎

جہاں را محکمی از اُمّہات است — نہادِ شاں امینِ ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند — نظامِ کاروبارش بے ثبات است

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیضِ نظر بتلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب و اخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماؤں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں ؎

مرا داد ایں خرد پرور جنونے — نگاہ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن — کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی و حال کو ان کی ماؤں کا فیض قرار دیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے ؎

خنک آں ملتے کز وارداتش — قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتاد او را — تواں دید از جبینِ امہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں، اور ملت کی شامِ الم کو صبحِ بہار سے بدل دیں اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیضِ عام کریں۔ جیسے حضرت عمرؓ کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے لحن و لہجہ کے سوز و ساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا ؎

ز شامِ ما بروں آور سحر را — بہ قرآں باز خواں اہلِ نظر را

تو می دانی کہ سوز قرأت تو　　　دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل کا حکم رکھتا ہے اور اسی کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے، ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے، اسی طرح گھر کے اندر کی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصاً ماں کی اہمیت ہے، اس لئے کہ اس کے ذمہ نئی نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے، انسان کا پہلا مدرسہ ماں کی گود ہوتی ہے، ماں جتنی مہذب، شائستہ اور بلند خیال ہوگی بچے پر بھی اتنی ہی یہ اثرات مرتب ہوں گے۔ اور ایک اچھی اور قابل فخر نسل　تربیت پا سکے گی ۔

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف دامتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے

......جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجا لاتیں تو ان کا نظام ناپائدار اور بے اساس ہوتا ہے، اور خاندانی امن و سکون درہم برہم ہو جاتا ہے، افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے، چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے، اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں دم توڑ دیتی ہیں، ان کے خیال میں مغرب کا اخلاقی بحران اسی لئے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور صنفی پاکیزگی ختم ہو گئی ہے۔

وہ آزادئ نسواں کی تحریک کے..... اسی لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورتوں کی غلامی ہے، اس سے ان کی مشکلات آسان نہیں اور پیچیدہ ہو جائیں گی، اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبۂ امومت ختم ہو جائیگا ماں کی ممتا کی روایت کمزور پڑ جائے گی، اسی لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے، وہ علم نہیں، بلکہ موت ہے، اور فرنگی تہذیب قوموں

کو اسی موت کی دعوت دے رہی ہے :۔

تہذیبِ فرنگی ہے اگر مرگِ امومت | ہے حضرتِ انساں کیلئے اسکا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن | کہتے ہیں اسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن | ہے عشق و محبت کیلئے علم و ہنر موت

علم او بارِ امومت بر نتافت | بر سرِ شاخش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستانِ ما نا رستہ بہ | داغش از دامانِ ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادیٔ نسواں ہو یا آزادیٔ رجال یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے، بلکہ مرد و زن کا ربط باہمی، ایثار، اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے۔ زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے، ایک دوسرے سے عدمِ تعاون کے سبب زندگی کا کام ادھورا اور اسکی رونق پھیکی ہو جائے گی۔ اور بالآخر یہ نوعِ انسانی کا نقصان ہوگا۔

مرد و زن وابستۂ یک دیگر ند | کائنات شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نارِ حیات | فطرت او لوحِ اسرارِ حیات
آتش ما را بجانِ خود زند | جوہرِ او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکناتِ زندگی | از تب و تابش ثباتِ زندگی
ارجِ ما از ارجمندی ہائے او | با ہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم و ادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی ماںتا ہی قابل قدر ہے، جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں، اور دنیا کا کوئی انسان نہیں، جو اس کا ممنون احسان نہیں ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ | اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشتِ خاک اسکی | کہ ہر شرف ہے اسی درج کا دُرِ مکنوں
مکالماتِ فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن | اسی کے شعلے سے ٹوٹا شرارِ افلاطوں!

آزادیٔ نسواں کی تحریک سے مرد وزن کا رشتہ جس طرح کٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے، "مرد فرنگ" کے عنوان سے کہتے ہیں۔

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا — مگر یہ مسئلۂ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں — گواہ اسکی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور — کہ مرد سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

کوئی پوچھے حکیم یورپ سے — ہند و یوناں ہیں جسکے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال — مرد بیکار و زن تہی آغوش

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی ہے، کیونکہ خالق کائنات پس پردہ ہی کارگاہِ عالم کو چلا رہا ہے اس کی ذات گو حجاب قدس میں ہے، لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں بحر و بر پر پھیلی ہوئی ہیں، مولانا آسی نے خوب کہا ہے ؎

بے حجابی یہ کہ ہر شے سے ہے جلوہ آشکار
اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ ؎

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلّی در حجاب است

وہ پردہ کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے لیکن اسے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جاسکتا ہے اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرے پر پردہ ہو یا نہ ہو، بلکہ یہ ہے کہ شخصیت اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں، اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار

ہو چکی ہو ے

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے — خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں نے — وہ خلوت نشیں ہے یہ جلوت نشیں ہے

ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم — کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت و تائید میں اقبال نے "خلوت" کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے، گھر کے پُرسکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں، اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے ے

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے — روشن ہے نگہ آئینۂ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے — ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوشِ صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے — وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر

خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر ولیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسّر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مرد و زن کے تعلق میں بالادستی (UPPER HAND) کسے حاصل ہو اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق بشریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے، اور یہ اس کائناتی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے، اور ہر ایک، ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے خصوصًا مرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں مرد کو عورت پر فضیلت اور اولیت حاصل ہے، اور یہ بھی کسی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا پر نہیں بلکہ خود عورت کے

حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے ـــــ نگرانی اور "قوامیت" ایسی چیز نہیں جو مرد اور عورت دونوں کے سپرد کر دی جاتی یا عورت کو دیدی جاتی، اقبال نے مغرب کے نام نہاد "آزادیٔ نسواں" کی پروا کیے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پر زور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا ؎

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور — کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد!
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی — نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا — اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم در حقیقت حدیث شریف "لن یفلح قوم ولّوا علیھم امرأۃ" کی ترجمانی ہے، انھوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا ؎

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر — غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتۂ شوق — آتشیں لذت تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات — گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومیٔ نسواں سے ہوں غمناک بہت — نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال اپنے کلام میں آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کے وہ بلند ارشادات بھی لائے ہیں، جن میں کہا گیا ہے کہ "حُبّب الیّ من دنیاکم الطیب والنساء وجُعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ" (مجھے دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور عورتیں پسند کرائی گئی ہیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے) اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا ہے کہ "جنت" ماؤں کے قدموں تلے ہے، انھوں نے امومت کو رحمت کہا ہے، اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے، ماں کی شفقت کو وہ پیغمبری شفقت کے قریب کہتے ہیں، اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے، اور ایک ملت وجود میں آتی ہے۔

آں یکے شمع شبستانِ حرم | حافظ جمعیتِ خیر الامم
سیرتِ فرزند ہا از امہات | جوہر صدق و صفا از امہات
آنکہ ناز د بر وجودش کائنات | ذکر او فرمود باطیب و صلوٰۃ
گفت آں مقصودِ حرفِ کن فکاں | زیر پائے امہات آمد جناں
نیک اگر بینی اموموت رحمت ست | زانکہ او را با نبوت نسبت ست
شفقتِ او شفقتِ پیغمبر است | سیرتِ اقوام را صورت گر است
از اموموت پختہ تر تعمیر ما | در خطِ سیمائے او تقدیر ما
آب بندِ نخلِ جمعیت توئی | حافظِ سرمایۂ ملت توئی
ہوشیار از دست بردِ روزگار | گیر فرزندانِ خود را در کنار

اخیر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں، اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں، کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں اور گھر یلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں، اقبال کے خیال میں سیرت کی اسی پختگی سے حضرات حسنین رضی اللہ عنہما ان کی آغوش سے نکلے۔

مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ | مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
آں ادب پروردۂ صبر و رضا | آسیا گرداں و لب قرآں سرا
فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند | چشم ہوش از اسوۂ زہراؓ مبند
تا حسینےؓ شاخِ تو بار آورد | موسمِ پیشیں بہ گلزار آورد!

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ۔

اگر پندے ز درویشے پذیری | ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولےؓ باش و پنہاں شو ازیں عصر | کہ در آغوش شبیرےؓ بگیری!

پاکستانی خواتین کے ایک مقبول اور کثیر الاشاعت ماہنامہ

آنچل کراچی

میں شائع شدہ
ڈاکٹر اسرار احمد
کا انٹرویو

اوائل ۸۲ء میں ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن پاکستان کے اجلاس منعقدہ خالقدینا ہال کراچی میں خطاب کی دعوت دی گئی تھی۔ اجلاس کے اختتام پر ایسوسی ایشن کے صدر جناب ڈاکٹر مبین اختر صاحب ڈاکٹر صاحب کو اپنے کلینک واقع ناظم آباد لے گئے۔ ڈاکٹر صاحب کا خیال تھا کہ وہاں ایسوسی ایشن کے مندوبین ہونگے، ان سے گفتگو ہوگی۔ لیکن اس کے برعکس وہاں ماہنامہ 'آنچل' کراچی کی مدیرہ اور ایک اور خاتون منتظر تھیں اور اچانک یہ راز کھلا کہ یہاں انٹرویو کا اہتمام ہے۔ اجلاس کے موقع پر ڈاکٹر صاحب کو مدیرہ 'آنچل' کی جانب سے انٹرویو کی گزارش پر مشتمل رقعہ تو ملا تھا لیکن انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس کے لئے اس طور سے فوری سازش ہو جائے گی۔ بہر حال وہاں کچھ گفتگو ہوئی ——— اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے ذہن سے یہ واقعہ بالکل محو ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ اچانک ستمبر ۸۲ء میں ڈاکٹر صاحب کراچی گئے تو ایک صاحب نے نہایت تحسین آمیز انداز میں اس انٹرویو کا ذکر کیا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے فوراً تو بالکل انکار کر دیا کہ میں نے خواتین کے کسی جریدے کو انٹرویو نہیں دیا۔ پھر اچانک انہیں وہ واقعہ یاد آگیا تو خیال ہوا کہ پرچہ حاصل کر کے دیکھا جائے کہ کیا کچھ چھاپ دیا گیا ہے ——— بلکہ اس پر حیرت بھی ہوئی کہ 'آنچل' والوں نے یہ کیا کیا کہ انٹرویو جولائی کی اشاعت میں چھپ گیا لیکن ہمیں خبر تک نہیں دی ——— بعد میں معلوم ہوا کہ انہوں نے تو پانچ پرچے بذریعہ رجسٹرڈ پوسٹ ارسال کر دیئے تھے لیکن غالباً محکمہ ڈاک کے کارکنوں کو کچھ ضرورت سے زیادہ ہی پسند آگئے ——— بہر حال انہوں نے دوبارہ پرچہ عنایت کیا تو یہ انٹرویو سامنے آیا جسے قارئین 'میثاق' کی دلچسپی کیلئے شائع کیا جا رہا ہے۔

(جمیل الرحمٰن)

فاطمہ زہرا جبین

اس ماہ کی شخصیت

ڈاکٹر اسرار احمد

دل موہ لینے والا مسحور کن انداز بیان، تقدس ... تاب چہرہ، دانش مندانہ پُروقار پیشانی، بردباری اور ... آہستہ آہستہ آدمی سے سچائی منوانے کی صلاحیت... یہ ہیں وہ اوصاف ... جو ٹی. وی پروگرام "الہدیٰ" کو دیکھتے ہوئے میرے ساتھ دکھوں لوگوں ... نے محسوس کئے ہوں گے.

پاکستان بہترین عالم دین حضرات کا گہوارہ ہے اور ہم بے حساب ... علماء کرام کے ذریعے آفاقی علم حاصل کرتے ہیں لیکن انداز بیاں کی انفرا... اور آواز کی گھن گرج کے ساتھ جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ متاثر ک... وہ ہے، تقویٰ... جس کی مثال فی زمانہ مشکل ہی سے ملے گی.... ... نے سوچا، اس شخص کے تقوے کی مثال کیسے دوں جو آج کے ترقی پسن...

دور میں اوصافِ پیغمبری کے اتباع پر منحصر ہے۔ جب کہ لوگوں کا خیال ہے کہ اس جدید سائنسی دور میں چودہ سو سال پیچھے سفر کرنا ممکن نہیں... اتباعِ رسولؐ مشکل ہے۔ لوگ انہیں جو چاہیں کہہ لیں، جو چاہیں سمجھیں۔ میں اپنے طور پر یہ سمجھنے میں برحق ہوں کہ تقویٰ اختیار کرنا ہی وہ عمل ہے جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا ضامن ہے۔ متقی اللہ کی نظروں میں محبوب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہی لوگوں کو پسند کرتا ہے، جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے راہِ نجات پر گامزن ہوئے۔

ایک کوالیفائڈ ہومیو پیتھک ڈاکٹر کا اس قدر تقویٰ کا پابند ہونا میرے لئے واقعی نہ صرف حیرت کا باعث تھا بلکہ مسرت کا بھی... کہ منشائے ایزدی کا مل اتباع کس قدر مشکل امر ہے۔

وقت بدلا ہوا ہے۔ اقدار بدل چکی ہیں۔ رسم و رواج تبدیل ہو گئیں۔ بڑے بڑے جید علماء اور راہبرانِ دین، اسلامی شعار کو اختیار کرتے ہوئے وقت کی رفتار کو بہر حال ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے چلن کو حسبِ حال ڈھال لیتے ہیں۔ تاہم ڈاکٹر اسرار احمد، اسلام کے موقف کو اسی حال میں جاری رکھنے پر مصر ہیں، جس طرح قرآن حکیم کے ذریعے حضورؐ نے نافذ کیا۔ وہ دین میں کسی بھی پیوندکاری کے روادار نہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ دین اسلام اتنا مکمل اور فطری دین ہے کہ تاقیامت اس میں تبدیلی کی ضرورت نہیں۔ تمام انسانی ضرورتیں وہ خود پوری کرتا ہے پھر کس تبدیلی کی گنجائش ہے۔ اس دین کو... اختیار کرنے میں کیا قباحت ہے؟

محترم ڈاکٹر اسرار احمد، عورتوں کو تو کیا مردوں کو بھی انٹرویو نہیں دیتے۔ عجیب مایوس کن اور حوصلہ شکن صورتِ حال تھی اور میں نے اس صورتِ حال کو اپنی آرزو میں ڈھالنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

مدیرۂ آنچل سے گفتگو کے ایک طویل مرحلے سے گزرنے کے بعد میں نے واقعی اس چیلنج کو قبول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

ایک تقریب میں بطورِ خاص شرکت کرنے کے لئے، میں خالقدینا ہال میں صبح نو بجے سے موجود تھی۔ میں اپنی کوتاہی سے کوئی لمحہ ضائع نہیں کرنا چاہتی تھی۔ معلوم ہوا کہ بعد نمازِ مغرب محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب قبلہ کی تشریف آوری متوقع ہے۔

بہت سوچ بچار کے بعد، میں نے ایک خط، ان کے نام تحریر کیا جس کا متن حسبِ ذیل ہے اور قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

محترم ڈاکٹر صاحب قبلہ!

السلام علیکم و رحمۃ اللہ برکاۃ

میں خواتین کے رسالے ماہنامہ آنچل کی طرف سے آپ کا انٹرویو لینا چاہتی ہوں۔ رسالہ اگرچہ تفریحی ادب کا سرچشمہ ہے، تاہم دینی مسائل پر انتہائی مستند خدمات کی انجام دہی میں کسی قسم کے تساہل لو کوتاہی سے کام نہیں لیتا۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے انٹرویو دینے سے انکار نہیں کریں گے کیونکہ لازمی امر ہے کہ اسلام کے اسکالروں کے انٹرویو شانِ جہاد کے ساتھ، دین کو بہتر طریقے پر قارئین کے آگے پیش کرے۔ لیکن میں چاہتی ہوں کہ لوگ، آپ جیسے لوگوں سے واقف ہو سکیں۔ دین کی رہنمائی کے لئے مرد اور عورت کی کوئی تخصیص نہیں۔

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، خواتین دین کے سلسلے میں راہبری کی جستجو میں حاضرِ خدمت ہوا کرتی تھیں تو دستکاری نہ جاتی تھیں۔ قوم کی لاکھوں بیٹیاں آپ کے علم کی برکتوں سے مستفیض ہونا چاہتی ہیں... کیا آپ، انہیں مایوس کر دیں گے؟

کمترین فاطمہ زہرا جبین

نمائندہ ماہنامہ آنچل۔ کراچی

ڈاکٹر اسرار احمد نے میرا خط، اسٹیج ہی پر کھول لیا۔ ان کے لبوں پر ایک پُرنور سی مسکراہٹ رینگ گئی... اور میں، اُمید و بیم کے درمیان ہچکولے کھاتی کشتی کی مانند ان کی طرف دیکھتی رہی۔ پروگرام کے اختتام کے بعد جب انہوں نے میری طرف توجہ فرمائی تو میں نے مرعوب ہوتے ہوئے اپنا مدعا بیان کیا۔

"انٹرویو سے مجھے انکار نہیں لیکن صبح آٹھ بجے، مجھے واپس بھی جانا ہے۔" انہوں نے پُراخلاق انداز میں معذرت چاہی۔

میں نے ایس۔ اے خان اور ڈاکٹر سید مبین اختر کی طرف دیکھا۔ ڈاکٹر مبین اختر نے بروقت میری اخلاقی مدد کرتے ہوئے کہا۔

"ہم، وی۔ آئی۔ پی ہاؤس چلتے ہیں۔ آپ وہیں انٹرویو کر لیں۔"

ڈاکٹر صاحب کی مقدس شخصیت کی جو دھاک دل پر بیٹھ چکی تھی، اس نے اب اعتماد کی شکل اختیار کر لی تھی۔

رات گہرائی میں اتر رہی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کچھ سفر، کچھ عمر اور کچھ شفقتِ خطابت کے باعث تھکے تھکے سے نظر آ رہے تھے۔ تاہم ان کی روشن آنکھوں کی طرف دیکھ کر انسان مسحور ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

میں، انٹرویو حاصل ہونے کی مسرت اور طمانیت سے کچھ نفسیاتی طور پر متاثر و مرعوب ہو کر سوال کرنے لگی۔

"آپ موجودہ دور میں نفاذِ اسلام کے منصوبے اور اس پر عمل درآمد سے مطمئن ہیں؟"

"قطعاً نہیں۔" وہ اعتراف کے معاملے میں بے باک اور مکمل طور پر راست گو تھے۔

"کیوں... کوئی وجہ، کوئی خامی؟"

"نفاذِ اسلام کی رفتار اس قدر مدھم اور خطوط اس قدر موہوم ہیں کہ اگر واقعی اس کی برکات، معاشرے پر اثر پذیر ہو چکی ہیں تو ان

کا دامن اور مکمل طور نہیں پایا جاتا۔ اسی وجہ سے لوگوں میں مایوسی اور کم حوصلگی پائی جاتی ہے۔ موجودہ حکومت، نفاذِ اسلام کے معاملے میں انتہائی سست روی سے کام کر رہی ہے۔ دوسرے یہ کہ دین کے نفاذ کے سلسلے میں بھی انہوں نے اپنی ترجیحات رکھی ہیں اور یہ ترجیحات دین سے ہرگز ہرگز مطابقت نہیں رکھتیں۔ مثلاً یہ کہ جنسی جرائم کی جو سزا وہ دیتے ہیں، ان میں احکام دین اور قرآن کے مطابق ستر اور حجاب کے جو احکام ہیں، ان پر قطعی عمل نہیں ہوتا۔ بتدریج ہی سہی، نافذ تو کریں۔ دین کے احکامات پر مکمل طور پر عمل درآمد خواہ وہ تدریجی ... طریق کار ہو یا انقلابی عمل کے ذریعے، دین مبین کی آفاقی حیثیت کے نفوذ کا واحد ذریعہ ہے... اور اب جب کہ عمل درآمد ہی نہیں ہو رہا ہے بلکہ وقت کا بڑا حصہ صرف دستاویزی تیاریوں وغیرہ میں صرف ہو رہا ہے تو امر لازم ہے کہ اس رفتار سے سفر کی منزلوں کا یقین انتہائی مایوس کن ہوگا۔"

"کیا آپ کے خیال میں دین کو مکمل طور پر یک لخت نافذ کرنا چاہیے؟"

"جی ہاں۔ یک لخت اور آناً فاناً... کیونکہ اسلام کو نافذ کرنے کے لئے 'جزو' کے فلسفے سے 'کل' کا فلسفہ زیادہ موثر اور مستحکم ہے۔ اور انقلاب ہی وہ لفظ ہے جو اس کے عمل کو بیان کر سکتا ہے۔ یعنی انقلابی خصوصیت کے حامل لوگ 'انقلابی جماعت' بنائیں... اور انقلاب کی راہ ہموار کر کے غیر اسلامی شعائر کو یک لخت منسوخ کریں۔ یہ وہ لوگ ہوں جو بنیادی طور پر تربیت شدہ ہوں، جنہوں نے اسلام کی خاطر قربانیاں دے کر اپنے آپ کو ثابت کیا ہو۔ جب تک محنت شاقہ سے ایسے لوگ فراہم نہ ہوں گے جو دین کی آفاقی حیثیت پر ناقابل شکست اعتماد رکھتے ہوں اور اس کے نفاذ میں کسی مزاحمت کی پرواہ نہ کرتے ہوں۔ ایک انقلابی جماعت کا وجود میں آنا کیا معنی خیز نہیں؟"

"نفاذِ اسلام کے لئے کیا اسلام کو زمانے اور وقت کے ارتقائی مدارج کا تابع رکھنا بہتر ہے یا زمانے کو اسلام کے اتباع سے... مشروط رکھنا ہوگا؟"

"اصل میں تو ہمیں زمانے کو دین کے تابع کرنا ہے۔ دین کو وقت کے پیمانے میں اتارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ دین ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسان کی تمام تر مادی اور روحانی افادیت کی کماحقہ معنویت کے ساتھ نافذ کیا گیا ہے۔ ارتقاء دراصل 'کائنات کے علم کے حصول اور حصول کے ذریعے' زندگی کے معیار اور حصولِ آگہی کے معیار کا بتدریج اضافہ ہے۔ اس اضافے کے لئے لباس، طرز معاشرت... طرز بود و باش، عقیدے یا یقین میں تبدیلیوں کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی البتہ ایک عنصر "اجتہاد" کا ہے۔ وہ چونکہ دین کے اندر ہے، دین سے باہر نہیں ہوتا۔ میں اس کو یوں نہیں کہوں گا کہ ہم نے زمانے کے مطابق دین کو کیا ہے بلکہ دین تو اپنی جگہ پر صدیوں سے قائم ہے۔ ہمیں اس کو نافذ کرنا ہے، حاکم بنانا ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! بسا اوقات لوگ آپ کو انتہا پسند قرار دیتے ہیں۔ کیا آپ واقعی انتہا پسند ہیں؟"

"دراصل مجھے یہ اندازہ ہی نہ تھا کہ لوگ مجھے انتہا پسند سمجھتے ہیں۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ کس انداز میں مجھے انتہا پسند قرار دیتے ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ میں خود کو FUNDAMENTALIST کہلائے جانے پر اعتراض نہ کروں گا کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کے جو FUNDAMENTALS ہیں ان پر میں کبھی سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ میں دین کو مکمل سمجھتا ہوں۔ اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ مجھے یقین ہے کہ دین کو وقت کے لحاظ سے تبدیل کئے بغیر بھی انسان ارتقاء کے اعلیٰ ترین مدارج طے کر سکتا ہے۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ لوگ... مجھے انتہا پسند سمجھتے ہوں کیونکہ میں دین پر تصرف کرنے میں ایسا کوئی سودا کرنے پر آمادہ نہیں ہو سکتا۔ اب مجھے انتہا پسند کن معنوں میں کہا جاتا ہے، اس کا مجھے کوئی جواز ہی نظر نہیں آتا۔"

"اگر کوئی اپنی ذات کی حد تک مضبوط کردار کا حامل ہو تو انتہا پسند ہو جاتا ہے۔ تاہم کیا مذہب کے سلسلے میں تمام معاشرے کو انتہا پسند بنایا جا سکتا ہے۔ یعنی کسی بھی چیز کا نفاذ جس پر طبیعت مکمل طور پر تربیت یافتہ نہ ہو؟"

"دراصل اسلام کا نفاذ ہی میری زندگی کا واحد مقصد ہے۔ اس کے لئے جدوجہد اہم ترین عنصر ہے۔ جدوجہد کے ذریعے ہی لوگوں کو قائل کرنے کے آمادہ کرنا ہوگا۔ اس کے بعد ان کے تعاون سے ایک جماعت تشکیل کرنی ہوگی۔ جب لوگ قائل ہو جائیں گے تو کوئی امر انہیں اپنے اندر زبردست انقلاب پیدا کرنے سے نہیں روک سکے گا لیکن یہ ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ آج میرے ہاتھ میں اختیار دے دیا جائے تو میں اسلام کو نافذ کر دوں۔ واقعتہً جب تک ہم انقلابی عمل سے نہ گزریں گے، اسلام کی تنفیذ، اسلام کا علیٰ ممکنات میں سے نہیں۔"

"تو کیا یہی وجہ ہے کہ ہم ہنوز اسلام کے نفاذ کے راستے تلاش کر رہے ہیں تاکہ مستقبل کے کسی دور میں تدریجی بنیادوں پر نافذ کیا جا سکے؟" میں نے سوال کیا۔

"ہاں..." مختصر سا جواب تھا۔

کافی عرصے سے ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خواتین کے سلسلے میں موقف پر خبریں چھپ رہی تھیں۔ اگرچہ کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے کسی انٹرویو میں کہا تھا کہ "میں کسی تنازعے کے لئے نہیں ہوں۔" تاہم ان کی ذات و شخصیت متنازعہ ہی... یا پھر لفظ تنازعہ کو ایک نیا موضوع مل گیا خواہ مطلب کچھ بھی ہو۔ چونکہ مجھے ان موضوعات کے موضوع پر تشفی کے لئے معلومات درکار تھیں لہٰذا میں نے پوچھا۔

"دینی لحاظ سے خواتین کی تربیت کن خطوط پر ہونی چاہیے... کہ عورت احساسِ حق تلفی اور محرومی کے بغیر اعتماد کے ساتھ معاشرے کا ایک فعال حصّہ مقرر ہو جائے اور پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عورت جس عقیدے کے درمیان پل کر جوان ہوتی ہے، دمِ آخر تک اسی پر سختی سے قائم رہتی ہے۔ اس سلسلے میں عورت سے تبلیغ کی ابتداء کے بارے میں بحث فرمائیے۔"

"تبلیغ کے بارے میں مرد اور عورت یکساں ہیں۔ یعنی جب بھی کسی معاشرے میں کسی بھی خیال کے تحت تبلیغ کی ابتدا ہوتی ہے تو وہ خواتین اور مردوں پر یکساں انداز میں اثر انداز ہوتی ہے۔ یکساں انداز ہی میں اسے قبول کیا جاتا ہے لیکن عورت کو بہترین تربیت اور بہترین کارکردگی کی مراعات ملنا چاہئیں کیونکہ اگلی نسل اُس کی گود میں پلتی ہے لیکن انقلاب کی ابتداء میں سب سے بڑا کردار مردوں کا ہوتا ہے۔ تاہم ہر دو صورتوں میں کسی بھی اہمیت کا یقین بہ آسانی نہیں کر سکتے کیونکہ دونوں اپنی اپنی جگہوں پر اہم اور مضبوط ستون کی سی کیفیت رکھتے ہیں۔ البتہ جہاں تک تعلیم کا تعلق ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی جسمانی اور نفسیاتی ساخت میں فرق کا تعین کر دیا ہے۔ اس تعین کی مقرر کردہ حد میں ذہنی، رُوحانی اور اخلاقی حصار کے ساتھ انہیں تعلیم و تربیت کے مکمل مواقع فراہم ہونا چاہئیں۔ مخلوط تعلیم کے ذریعے ایک بڑا بگاڑ وجود میں آتا ہے۔ جو اپنی تباہ کاریوں کے ذریعے ہماری بہترین صلاحیتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہُوا کہ ہمارا موجودہ نظامِ تعلیم یکسر غیر مؤثر... اور بے معنی ہے؟"

"ہاں، اکثر و بیشتر۔ میرے خیال میں لڑکیوں کے لئے ادب، فلسفہ، سائیکولوجی، ایسے علوم ہیں جن سے بہترین نسلوں کو وجود میں لانا ممکن ہے۔ ایسے علوم جن سے اُن کے اندر شعور پیدا ہو۔ جن سے تربیتِ اولاد کی صلاحیت میں اضافہ ہو، نفسانی نفسیات کا فہم ہو، امورِ خانہ داری کی مکمل تربیت کا مظاہرہ ہو۔ میڈیکل لائن میں خواتین کے ذریعے پردے میں خواتین کے عوارض کے علاج کی مکمل ترین سہولتوں کا اہتمام ہو تاکہ عورتوں کا علاج معالجہ عورتیں ہی کر سکیں۔ سوائے اس کے کہ بہت ہی پیچیدہ معاملہ ہو تو مردوں کے پاس جائے۔ ورنہ اس سلسلے میں مردوں کی حوصلہ شکنی ہونا چاہیے۔"

"درس و تدریس کے شعبے میں بھی خواتین کا حق ہو سکتا ہے؟"

"جی ہاں، بے شک... کیونکہ خواتین کا خواتین کے لئے علیحدہ شعبۂ تعلیم قائم کرنا از حد ضروری ہے تاکہ پردے کی عظمتوں کے ساتھ علم، مثالی معراجِ کمال سے خواتین میں منتقل ہو جائے۔"

"کیا عورت اتالیق کی حیثیت سے مرد سے بہتر کام کر سکتی ہے؟ اور پرائمری لیول تک صرف عورتوں کو استاد مقرر کیا جا سکتا ہے؟"

"جی ہاں، لڑکے ہوں یا لڑکیاں TENDER AGE میں ماں کی شفقتوں کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔ اس جذباتی کیفیت کے سبب اگر خواتین پرائمری لیول تک جہاں بچے [illegible] کم سنی کے مدارج میں ہوں... خواتین اساتذہ اپنی محبتوں سے بہتر طور پر ... بہترین نتائج بر آمد کر سکتی ہیں۔ اس لیول کے بعد لڑکوں کے لئے مرد اور لڑکیوں کے لئے صرف خواتین اساتذہ کے شعبوں کا منتقل کر دینا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ اس طرح دین... کی پابندی کے ساتھ معیاری کردار بھی حاصل ہو سکتا ہے۔"

"ملازمتوں کے شعبے علیحدہ کرنے کے بعد خواتین کو زیادہ فعال کردار دینا ناانصافی تو نہیں؟"

"موجودہ دَور، تقابل کا دَور ہے۔ نوعِ انسانی کا تناسب زیادہ سے زیادہ ہو رہا ہے۔ ویسے تو اصولی طور پر کفالت کی ذمّے داری مرد کی ہے لیکن ناگزیر وجوہات کی بنا پر مرد اس ذمّے داری کو نبھانے سے معذور ہے اور ملکی معیشت میں بھی ضرورت ہو تو ہم اپنی پیداوار میں خواتین سے مدد لیں کیونکہ اس وقت دُنیا ایک معاشی مقابلے میں بُری طرح مبتلا ہے تو اس صورت میں اسلام کے دائرے میں رہتے ہُوئے، متبادل صورتِ حال... فراہم کرنا ہوگی۔"

"یعنی...؟" میں نے پوچھا۔

"یعنی محلّہ در محلّہ، کاٹن انڈسٹریز سے خام مال گھروں پر پہنچایا جائے۔ جہاں عورتیں کام کریں اور شام کو فوری ادائیگی کے بعد... مال واپس لیا جائے۔ اس قسم کا باقاعدہ نظام مربوط طریقے سے ذرا سی جدّ و جہد سے قائم ہو سکتا ہے۔ ایسے انڈسٹریل یونٹ بنائے جائیں جن میں عورتیں کام کریں اور عورتیں ہی کام لیں۔ خواتین کی جسمانی ساخت اور مصروفیات کے لحاظ سے SHORT SHIFT بنیاد پر انہیں ملازم رکھا جائے۔ یہ شفٹ چار گھنٹے کی ہو... اور یہ سب اسی صورت میں ممکن ہے جب رجائیت پسند قیادت نہیں بلکہ مذہبی قیادت برسرِ اقتدار آئے، جس کا اپنا ایک مکمل نظریہ ہو کہ ہر حالت میں دین کی پابندی کرنا ہے اس کے ساتھ چلنا ہے تو یہ سارے کام بہ احسن و خوبی انجام پا سکیں گے لیکن جب ان چیزوں کو صرف ظاہری نگاہ سے پرکھا جائے گا تو یہ سب کام پہاڑ معلوم ہوں گے۔"

ڈاکٹر صاحب نے مزید کہا۔

"اسلام کے معاشرتی نظام میں عورت کا اصل مقام اُس کا گھر اور نسلوں کی پرورش و پرداخت ہے۔ عام حالات میں ایک عورت، اوّل تا آخر ایک خاندار عزت مآب بیوی، ماں، بہن اور بیٹی ہے... تاہم بوقتِ ضرورت اسے زندگی کی ہر جدّوجہد میں مسابقت کا حق حاصل ہے مگر حدود کے ساتھ۔"

"صحافی اور دانشور حضرات تجسّس میں ہیں کہ آپ عورت کو کس طرح رکھنے پر یقین رکھتے ہیں؟ کیا کبھی آپ نے اُن سے دریافت کیا کہ وہ اپنی خواتین کو کس طریقے پر رکھتے ہیں؟"

"میرا، اُن حضرات سے براہِ راست کبھی رابطہ نہیں رہا۔ روزنامہ

جنگ میں ارشاد احمد حقانی کام کرتے ہیں۔ وہ میرے پاس آئے تو میں یہ نہیں سمجھا کہ وہ میرے پاس انٹرویو کی غرض سے آئے ہیں۔ وہ ہمارے پرانے ہم جماعتوں میں سے ہیں۔ جب انہوں نے مجھ سے وقت مانگا تو میں سمجھا کہ پرانی ملاقات کی تجدید کے لئے یا پھر ایسی ہی کسی ملاقات کے لئے آئے ہیں۔ تاہم مجھے اعتراف ہے کہ وہ صحافی کی حیثیت سے مجھ سے انٹرویو لے گئے۔ کچھ سوالات آخر میں سرعت سے یکے بعد دیگرے ہو گئے۔ اس میں بعض باتیں خالص تصوراتی طرز کی تھیں جیسے آج آپ کے ہاتھ میں طاقت آجائے تو آپ کیا کریں گے؟ تو میں نے کہا، سب کو پنشن پر بھیج دوں۔ خاص طور پر خواتین کو۔ ظاہری بات ہے، پنشن پر بھیج رہا ہوں' ڈس مس تو نہیں کر رہا ہوں۔ پنشن مل جائے اور کیا چاہیئے؛ گھر بیٹھیں۔ بہرحال مجھے اس بات کا اندازہ نہیں کیونکہ میرا صحافیوں سے زیادہ تعلق نہیں کہ وہ کیا سوچتے ہیں؟ ان کے گھریلو حالات کیسے ہیں؟"

"ایک کثیرالاشاعت روزنامے میں عورت کے مقام کے عنوان سے کچھ مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ایک صاحب نے لکھا کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا؛ 'عورت جو کہے' اس کے خلاف کرو۔ اس میں بڑی برکت ہے! جب کہ ہمارے نبی کریمؐ اگر عورت کے بارے میں ایسی رائے رکھتے... تو بی بی عائشہ صدیقہؓ سے مشاورت کا جواز باقی نہ رہتا۔ آپ کا کیا خیال ہے؟"

"میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ایسی بات ہو بھی... اور چونکہ یہ مضامین میرے مطالعے سے نہیں گزرے، لہذا میں اس سلسلے میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھتا۔"

"آپ اور بہت سے حضرات خواتین کے لباس کے بارے میں خاصے متفکر پائے جاتے ہیں اور یہ درست بھی ہے۔ تاہم آپ نے کبھی مردوں کی چست پتلونوں کو دیکھا ہے جو ٹی شرٹ، جرسی اور بنیانوں پر پہنی ہوتی ہیں۔ کیا مردانگی اور برہنگی دورِ جدید کی توام بہنیں تو نہیں؟"

ڈاکٹر صاحب نے میرے سوال کو تحمل سے سنا اور فرمایا۔

"ستر پوشی ہر دو اصناف پر لازم ہے تاکہ معاشرہ، پاکیزہ حیثیت کو برقرار رکھ سکے۔ آپ کی بات صحیح ہے۔ ساتر لباس مرد کا بھی ہونا... چاہیئے۔ مرد کے لئے ستر کی حد، ناف سے اوپر سے گھٹنوں کے نیچے تک ہے لیکن عورت کے لئے سوائے چہرے کی ٹکیہ، ہاتھ اور پاؤں کے علاوہ تمام اعضا کا پوشیدہ رکھنا شرعاً فرض ہے۔ مرد اور عورت میں نفسیاتی اعتبار سے یک فرق ہے۔ جسمانی لحاظ سے عورت کے لئے مرد میں کشش ہے اور مرد کے لئے عورت میں... لیکن نفسیاتی فرق یہ ہے کہ مرد قوی تر ہے اور اقدام اور فعالیت میں فزوں تر، اس میں آگے بڑھنے کا حوصلہ ہے۔ عورت میں نفسیاتی طور پر گریز ہے، فطری گریز ہے اور یہی اس کی نسوانیت کا اصل زیور ہے۔ لہٰذا عورت مرد کی طرف متوجہ ہونے کے باوجود فطری طور پر اقدام حصول میں اتنی شدید نہیں جتنا کہ مرد ہے۔ اس اعتبار سے عورتوں کا مردوں کو دیکھنا اتنا اشتعال انگیز نہیں ہے جتنا مردوں کا عورتوں کو دیکھنا۔ ورنہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ مرد بھی پردہ کریں۔ نہ عورتیں مردوں کو دیکھیں نہ مرد، عورتوں کو... لیکن یہ بات نہیں ہے۔ صرف عورت کو پردے کا پابند کیا گیا ہے، جسم کا بیشتر حصہ چھپانا لازمی قرار دیا گیا ہے لیکن مرد کے لئے اس قدر پابندی نہیں... مثلاً مرد کا ستر، ناف کے اوپر سے کر گھٹنے کے نیچے تک ہے۔ اگر جسم کا حصہ ڈھکا ہوا ہے تو ٹھیک ہے۔ اگر اس نے قمیص نہیں پہنی ہے تو اس پر لازم بھی نہیں۔ تاہم عورت کا پورا جسم ستر ہے۔ سوائے چہرے کے اور ہاتھ، پیر کے لیکن آج کل مرد جو چست لباس پہنتے ہیں، وہ درست نہیں ہے۔ خاص طور پر نیکر۔ کھیلوں میں شارٹس کا استعمال، تیراکی کا لباس، شریعت کے سراسر خلاف ہے۔ مرد کو ناف سے اوپر اور گھٹنے سے نیچے تک جسم کو کپڑے سے پوشیدہ رکھنا ضروری اور شرعی ہے۔"

"مذہب معاشرے میں کیا کردار ادا کرتا ہے؟"

"آپ کا انٹرویو ہنوز ختم نہیں ہوا؟" ڈاکٹر صاحب نے پہلو بدلا۔

"دیکھئے، محترم ڈاکٹر صاحب! سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قاری، آپ کے علم کے ایک ایک لفظ کو وضاحت کے ساتھ سن لیں، سمجھ لیں اور توفیق ہو تو عمل بھی کریں، اس لئے گستاخی معاف۔"

وہ شفقت سے بولے۔

"معاشرے میں مذہب وہی کردار ادا کرتا ہے جو ایک فرد کی زندگی میں۔ مذہب اخلاق کی بنیاد فراہم کرتا ہے۔ اس سے بڑی اور کیا بات ہو گی کہ معاشرہ نفس حیوان کی بربریت سے صرف اور صرف دین کی وجہ سے پاک ہو گا۔ انسان، انسان کا حق، اس کے طلب کرنے سے پہلے ادا کر دے گا۔ یہ ایک بہت عظیم تربیت کی بات ہے کہ حقوق کی ادائیگی میں عجلت کا تصور، کردار کے اعلیٰ ترین تصور کی ضمانت ہو گا۔ اور یہ ضمانت صرف دین کا احیاء ہی دے سکتا ہے۔ مذہب معاشرے میں رہنے والوں اور معاشرے کو جزا اور سزا کا تصور دیتا ہے۔ خود احتسابی کا قانون دیتا ہے، جس سے انسان خود اپنے طرزِ عمل پر ناقدانہ احتساب قائم کرتا ہے۔ مذہب کے جو اثرات انفرادی طور پر فرد پر مرتب ہوتے ہیں' وہی اجتماعی طور پر... معاشرے پر ہوں گے۔ ہمارا جو مذہب ہے' وہ مذہب نہیں دین ہے۔ بلکہ دین کے بارے میں میں کہوں گا کہ THIS IS A WAY OF LIFE, RATHER A SYSTEM OF LIFE. جس میں اس کا معاشی، سیاسی، سماجی ایک مکمل نظام پنہاں ہے۔ ان کے درمیان عدل و انصاف' اعتدال و توازن ہے جو انسان کی بنیادی ضرورت ہے کہ ہر انسان ہر طرح کی اونچ نیچ' ہر طرح کی افراط و تفریط سے بچ گیا ہے۔ انسان کو دین کی صورت میں جو متوازی نظام ملا ہے وہ درحقیقت اسلام کا نوعِ انسانی پر ایک بہت بڑا احسان ہے۔"

"جہاد کے بارے میں فرمایئے؟"

"جہاد کے تین حصے ہیں۔ ایک اپنے نفس حیوان کی بربریت کے خلاف جہاد۔ یعنی اپنے نفس کو ممکنہ حد تک برائیوں سے پاک کرنے کا مرحلہ۔ جب تک انسان خود شر، برائی اور حرام خوری سے نہ

ہے گا، وہ کوئی جہاد نہ کر سکے گا۔ یہ وہ MOST FUNDAMENTEL جہاد ہے جہاں انسان اپنی ذات سے آگاہ ہوتے ہوئے شرفِ آدمیت کے حصول کے لئے حیوانی محرکات کو قابو کرتا ہوا نفسِ حیوان کو مکمل طور پر زیر کرنے کے اہل ہو جاتا ہے۔

دوسرا جہاد ہے معاشرے میں توہمات یا باطل نظریات متصادم اور متضاد مکاتبِ فکر میں اصلاحِ حال و احوال، تہذیب و تمدن اور ثقافت کی ترویج میں نقائص کو قطع کرنا یعنی اسلامی معاشرے کو عین اسلام کے مطابق رواج دینے کے لئے ہر فرد کا انفرادی جہاد ایک اجتماعی کیفیت کے ساتھ ایک اعلیٰ ترین بے مثال قوم کی صورت میں وجود پاتا ہے۔ تیسرا جہاد وہ ہے جو ان اقوام کے ساتھ ہے جو اس عظیم المرتب منصوبے کو خاک میں ملا کر اپنے عقائد کی برتری کے ذریعے اپنے اقتدار کے ذریعے نوعِ آدم کو اپنا تابع بنانے کی کوشش کی یعنی حق کا باطل کے ساتھ مقابلہ۔ یہ آخری اسٹیج ہے جس میں جان کی بازی بھی لگتی ہے۔"

"علماء کی سطح سے صرف تقریریں ہی جہاد ہیں۔ ایسے بے عمل عالموں سے ہم کن تاریخی فتوحات کی اُمید رکھ سکتے ہیں؟" میں نے ایک چبھتا ہوا سوال کیا لیکن انہوں نے اپنے مخصوص ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں جواب دیا۔

"ہمیں دوسروں سے بہت سی اُمیدیں وابستہ نہیں رکھنا چاہیں بلکہ خود بڑھ کر عمل کرنا چاہئے۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں، وہی غنیمت ہے۔ ایسے ماحول میں بہت کچھ حاصل ہونا امرِ محال ہے۔ تاہم ایک رمق شرر فشانی اس خس و خاشاک میں رہ گئی ہے۔ اس میں علماء کا بہت بڑا CONTRIBUTION ہے۔ انہوں نے مسجدیں آباد رکھی ہوئی ہیں، اذانیں ہیں، نمازیں ہیں، مجمے ہیں، خطبے ہیں، یہ سب کیا ہے؟ معاشرہ ان کا مثبت حصہ ہے۔۔ پھر میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ہم سب لوگ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ سارا کام وہی کریں۔ ہمیں بھی تو خود بحیثیت مسلمان کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔ اپنے اعمال و کوتاہی کی اللہ تعالیٰ کے سامنے وہی جواب دیں گے اور اسلام میں یہ کام صرف علماء کا نہیں بلکہ ہر مسلمان کا فرض ہے۔"

"بچے کو بہترین اسلامی لٹریچر پڑھایا جائے۔ بہترین اسلامی تربیت دی جائے اور بہترین شخصیت کے ساتھ پیش کیا جائے اور ہر گھر میں یہی جذبہ پروان چڑھے تو کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ موجودہ منافقت کا دور ہٹے اور اسلام جلد از جلد اپنی تمام افادیت کے ساتھ نافذ ہو جائے۔"

میں نے ڈاکٹر صاحب کے سامنے اپنی رائے کا اظہار کیا تو وہ بولے۔

"جی ہاں۔ میں نے پہلے ہی کہا نا کہ جہاد کی ابتدا تو خود انسان کے اپنے نفس سے ہوتی ہے۔"

"ڈاکٹر صاحب! بلا سود بینکاری کے سلسلے میں کیا ہم پوری طرح اسلام پر کاربند ہیں؟"

"دراصل میں اس نظام کو ہنوز اسٹڈی نہیں کر سکا ہوں جو کہ نافذ کیا گیا ہے۔" ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جواب دیا۔ "جہاں تک ہماری معلومات حاصل کرنے کی بات ہے تو اس بارے میں یہی معلوم ہوا ہے کہ حکومت 'بلا سود بینکاری' کا سارا روپیہ صرف اجناس کی خریداری پر صرف کر رہی ہے۔ اس میں مارک اپ سسٹم بھی استعمال ہو رہا ہے۔ تاہم ایک بات میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ نظام اپنی روح کے اعتبار سے سودی ہی ہے۔"

"جی ہاں، بلا سود بینکاری نظام ہنوز متنازعہ مسئلہ ہے لیکن شریعت اس بارے میں کیا کہتی ہے؟"

"شریعت تو سود کو حرام قرار دیتی ہے۔" ڈاکٹر صاحب کی آواز کھلا جہاد تھی، لہجہ تلوار کی سان تھا۔۔ اور سوال یہ تھا کہ شب بطل میں 'جہاد' کی یہ للکار کہاں تک پہنچے گی؟

انہوں نے کہا۔ "سوال یہ ہے کہ کوئی شخص جو اس سسٹم آف بینکنگ پر عبور رکھتا ہو وہی اس کی صحیح تشریح کر سکتا ہے۔ البتہ میرے نزدیک ایک آدمی، حکومت کی اس یقین دہانی پر کہ یہ سودی نہیں اس میں روپیہ جمع کرائے گا اور اُسے کچھ نہ معلوم ہو گا۔ انشاء اللہ! وہ گنہگار نہ ہو گا۔ اس کے گناہ کا پورا وزن حکومت کے کریڈٹ کارڈ میں درج ہو گا۔"

"اگر اس کو معلوم ہو جائے تو؟" ڈاکٹر مبین اختر ماہر نفسیات نے سوال کیا۔

"تو وہ گنہگار ہو گا۔" ڈاکٹر اسرار احمد نے مختصراً جواب دیا۔

"جو لوگ بینکنگ نظام میں اپنے فرائض ملازمین کی حیثیت سے انجام دیتے ہیں، اُن کے مشاہروں کے بارے میں متضاد رائے پائی جاتی ہیں۔ آپ کیا کہیں گے؟"

"غیر سودی کھاتہ تو اب کھلا ہے۔" ڈاکٹر صاحب بولے۔ "پہلے تو یہ نظام سو فی صد سود پر تھا۔ تب بھی لوگ ملازمت کر رہے تھے۔ ایسا بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بہت سے تاجر ایسے ہیں جو اوور ڈرافٹ پر بزنس نہیں کرتے۔ کتنے کاروباری لوگ ایسے ہیں جو سود نہیں لیتے۔ معاشرے میں تو حرام خوری رچ بس گئی ہے۔ کسی بھی ملک میں، جبکہ اس میں اپنا ایک ادارہ بھی ہو اور اس ادارے کا ایک DETERMINATION بھی ہو تو وہ ملکی نظام اختیار کرتا ہے۔ دُنیا اس کے ساتھ ہم آہنگی پیدا کر لیتی ہے۔ دُنیا ہمارے ساتھ بزنس کرتی ہے تو اپنی غرض سے کرتی ہے۔ صرف ہمارے فائدے کے لئے نہیں کرتی۔ کوئی ملک ہمیں مدد دیتا ہے تو اپنے مفاد کے لئے دیتا ہے۔۔۔ مگر جب ہم اپنا ایک مکمل نظامِ معیشت ترتیب دے لیں گے تو دُنیا صرف اپنی غرض کے لئے ہمارے ساتھ مذکورہ نظام کے تحت ہو گی تو کوئی دقت نہ رہے گی اور پھر جب ہماری تجارت کا رابطہ سودی معیشت پر چلنے والے ممالک سے رہے گا تو لازماً سود آہستہ آہستہ ہماری رگوں میں گردش کناں ہو جائے گا۔ آخر کمیونسٹ ممالک بھی تو ہیں جہاں سودی نظام نہیں تو وہاں سے بھی تو تجارت ہوتی ہے۔ انہوں نے غیر محسوس طریقے پر اسلامی تصور اپنا لیا جبکہ ہمارا نظام اس سے

جاری ہے۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتایئے؟"

"حصار، مشرقی پنجاب، جو اب ہریانہ میں ہے۔ وہیں میری پیدائش ۱۹۳۲ء میں ہوئی۔" عجیب تقدس اور سادگی سے انہوں نے کہا۔ "۱۹۴۷ء میں میٹرک وہیں سے کیا۔ تقسیم کے بعد ہجرت کر کے ہم، مغربی پنجاب یعنی پاکستانی پنجاب میں آگئے۔ لاہور میں تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء تا ۱۹۴۹ء گورنمنٹ میڈیکل کالج لاہور سے ایف۔ ایس سی کیا۔ ایم۔ بی بی۔ ایس کے لئے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور منتخب کیا اور وہاں سے ۱۹۵۴ء میں فارغ التحصیل ہوا۔ ہائی اسکول لائف کے دوران میں، میں مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن کا ممبر تھا۔ دین سے غیر معمولی رغبت فطرت ثانیہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ میں سرگرم کارکن تھا۔ اپنے ضلعے کی آرگنائزیشن کا جنرل سیکریٹری تھا۔ کالج لائف میں میرا رابطہ فوری طور پر جماعت اسلامی کی جمعیت طلبہ سے ہوا۔ میری تعلیمی زندگی کے سات سال جمعیت طلبہ کے ساتھ تھے۔ اس کے بعد میں نے جماعت اسلامی کی رکنیت اختیار کر لی تقریباً ڈھائی سال تک میں جماعت کا رکن رہا۔ ۱۹۵۶ء میں نے اپنا یک مضمون لکھا جس میں مجھے جماعت کی پالیسی کے ساتھ اختلاف تھا۔ اس کی وجوہات عملی اور انتخابی سیاست میں جماعت کی غیر معمولی... مصروفیات تھیں، جس کی وجہ سے میرے خیال میں بنیادی کام میں رکاوٹ پیدا ہو رہی تھی۔ مولانا مودودی صاحب کا خیال یہ تھا کہ اس پالیسی میں کوئی ریم نہیں ہونی چاہیئے۔ اس وقت پارٹی میں بڑے بھاری اور سمجھ دار لوگ شامل تھے۔ مثلاً مولانا اصلاحی صاحب۔ انجام کار، ہم لوگ جماعت سے علیحدہ ہو گئے۔ جماعت سے علیحدگی تھی، تحریک سے علیحدگی ہرگز نہ تھی۔ میری عمر اس وقت "پچیس" برس تھی۔ میں جوان تھا اور انتظار میں تھا کہ بزرگ لوگ شاید تنظیم کی شکل اختیار کریں تو اُن کے ساتھ ہم بھی منزلوں کا رخت سفر باندھیں لیکن کچھ اسباب کی بنا پر اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی تو پھر ۱۹۶۶ء کی ابتدا میں جب میں "تینتیس" برس کا تھا تو حوصلے مضبوط اور پختہ ہو چکے تھے... اور میں نے تہیہ کر لیا کہ مجھے خود کام کرنا چاہیئے تو پھر میں دوبارہ لاہور شفٹ ہوا... کیونکہ میں M.B.B.S کر کے ساہیوال آگیا تھا، جہاں میرے والدین تھے۔ لاہور منتقل ہو کر میں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ میں نے قرآن مجید کے درس کے ذریعے بنیادی باتیں مثلاً دین اور دینی فرائض کے تصور پر کام کیا۔ تقریباً چھ برس تک تن تنہا کسی تنظیم کے بغیر میں لگاتار خلوص کے ساتھ کام کرتا رہا۔ میں نے اصلاحی صاحب کے ساتھ 'میثاق' جاری کیا جو میرے اپنے اشاعتی ادارے 'دارالاشاعت اسلامیہ' سے شائع ہوتا تھا جو بعد میں بند ہو گیا تھا۔ میری تنہا کوششیں تھیں کہ میثاق دوبارہ جاری ہوا۔ ۱۹۷۲ء میں میں نے انجمن خدام القرآن قائم کی۔ میں اس کا بانی اور تاحیات صدر ہوں پھر ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی۔ یہی میری مختصر سی سرگزشت ہے۔"

ڈاکٹر صاحب خاموش ہوئے تو میں نے کہا۔

"آپ نے تنہا رہ کر بڑے حوصلے سے کام کیا ہوگا؟"

"جی ہاں، مجھے تنہا ہی بہت حوصلے اور فلک آسا اُمیدوں کے ساتھ اس عظیم مقصد کی خاطر، منصوبوں پر عمل درآمد کے لئے تیار ہونا پڑا۔"

"آپ نے ایم۔ بی بی۔ ایس کے بعد کتنے عرصے پریکٹس کی؟"

"سولہ سال..."

"تو اب آپ پریکٹس نہیں کر رہے؟"

"۱۹۷۱ء سے میں نے یہ پریکٹس بند کر دی ہے۔"

"اسلام، ڈاکٹری اور نفسیات میں کوئی مطابقت؟"

"انسان اپنے مادی جسم کے اندر ایک طویل سلسلہ ہے... نفسیاتی طور پر... جذباتی کیفیات کا سرچشمہ ہے، دماغ۔ جب یہ نفسیاتی اور جذباتی کیفیات جسم پر حاوی ہونے لگتی ہیں تو مینٹل پیتھالوجی کو جنم دیتی ہیں۔ یعنی فرسٹریشن، اضطراری کیفیت، خواہشات کی بہتات وغیرہ اور ان ذہنی ABNORMALITIES کے اثرات انسان کے نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان نفسیاتی کیفیات کو اعتدال میں رکھنے کے لئے ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کو ہم INTERNAL PEACE کہتے ہیں۔ یہ کیفیت انسان کی تمام جسمانی اور روحانی حیثیتوں کو مربوط رکھتے ہوئے اجتماعی طور پر ایک اور ہمہ گیر وصف کو جنم دیتی ہے جو SOCIAL PEACE ہے یعنی:

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان بچے رہیں۔ کسی کو کوئی گزند نہ پہنچے اور یہ دونوں چیزیں درحقیقت ہمیں سب سے زیادہ اسلام سے ملتی ہیں۔"

"کیا یہ ممکن ہے کہ دوائیوں کو کم کر کے، اسلامی تعلیمات کے ذریعے مریض کا نفسیاتی طور پر علاج کیا جائے؟"

"ہاں، یہ ممکن ہے، عین ممکن... اس میں معالج کی قوت ارادی اور روحانی سطح کا معیار ہونا بھی ازحد ضروری ہے۔" ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔

میں مزید سوال کرنا چاہتی تھی کہ ڈاکٹر صاحب نے شفقت سے کہا۔

"بھئی، پرچہ ختم ہوا تو آپ زبانی سوالات پر اتر آئیں... میرے خیال میں آپ کے سوالات کا سلسلہ ہنوز ختم نہیں ہوا۔"

"جی ہاں، میں اس برکت سے دست بردار ہونے پر آمادہ نہیں۔ بحیثیت ڈاکٹر، دینی خدمات کیونکر انجام دی جا سکتی ہیں...؟ کیونکہ آپ نے تو پریکٹس چھوڑ دی جب کہ یہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔"

"آپ اس مسئلے کو کچھ اس طرح سمجھئے کہ حضورؐ تاجر تھے لیکن آپؐ نے دین کے لئے مکمل طور پر تجارت چھوڑ دی۔ ایک بڑے مقصد یعنی ملک و ملت کی راہبری کے لئے ایک چھوٹے مقصد کو اتباع رسولؐ میں ترک کرنا ہوتا ہے تاکہ یکسوئی کے ساتھ تمام تر توجہ سے منصوبہ پایۂ تکمیل کو پہنچ جائے۔ یعنی قومی سطح پر لیڈر بننا ہے تو اسے اپنا کام ترک کرنا ہوگا۔

میرے مقاصد بھی کچھ یہی تھے اور مقاصد کے حصول کے لئے مجھے یکسوئی درکار تھی اور میں نے بھی اپنی ضرورت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ایک بڑے مقصد کے لئے چھوٹے مقصد کو ترک کر دیا۔ میں اس ضمن میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تاجر تھے اور تبلیغ بھی کرتے تھے... دین کی خدمات کے سبب ان کا کاروبار آہستہ آہستہ سمٹتا چلا گیا... پھر میرا واقعہ بھی خاصا توجہ طلب ہے۔ جب میں جمعیتِ طلباء کے لئے پنجاب اور لاہور کا ناظم تھا تو فروری میں اجلاس ہُوا۔ مودودی صاحب... اور مولانا اصلاحی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ میری وہ تقریر "ہم اور ہمارا کام" آج تک جمعیت میں چلتی ہے۔ مولانا مودودی نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ علمِ دین کے کام میں بھی آگے رہیں اور تعلیم میں بھی آگے بڑھیں... میں نے اسی رات گیارہ بجے، مولانا مودودی صاحب کو پکڑ لیا۔ میں نے کہا۔ میرا معاملہ یہ ہے کہ میں پرائمری سے اسکالرشپ لیتا آیا ہوں۔ چوتھی، آٹھویں، دسویں پھر ایف۔ ایس۔ سی میں فرسٹ پوزیشن لی اور اسکالرشپ یونیورسٹی میں مَیں نے فورتھ پوزیشن لی۔ فرسٹ ائیر میڈیکل کالج میں فرسٹ آیا اور میرے پاس سیکنڈ ائیر میں دو اسکالرشپ تھے۔ یعنی ایف۔ ایس۔ سی کا بھی اور فرسٹ ائیر میڈیکل کا بھی... لیکن میں دونوں جگہوں پر بیک وقت کیسے بیٹھ سکتا ہوں... تو مولانا صاحب نے کہا... "ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔ میرا خود یہی حال ہے، جب سے تحریک عوامی دور میں داخل ہُوئی ہے، میرا لکھنا، پڑھنا اور مطالعے کا کام تقریباً رُک گیا ہے اور میں اپنے سابقہ مطالعے پر بسر کر رہا ہوں۔ اس سے ثابت ہُوا کہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ کام، پوری تندہی سے انجام نہیں دیئے جا سکتے اور پھر..."

وہ ایک لمحے کو رُکے۔

"کسی مقصد کے حصول کے لئے لازمی بات ہے کہ پوری طاقت، حوصلوں اور علم کو ہر طرف پھیلانے کے بجائے، سمیٹ کر ایک نقطے پر مرکوز کر دینا چاہئے۔ بیک وقت دو کشتیوں میں سوار نہیں ہُوا جا سکتا۔ اسی وجہ سے میں نے پریکٹس چھوڑ دی۔"

"کتنے بچے ہیں، آپ کے؟"

"چار لڑکے اور پانچ لڑکیاں۔"

"کسی نے میڈیکل کیا ہے؟"

"جی ہاں۔ ایک لڑکے نے ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کیا ہے۔ دوسرے نے ایم۔ اے فلاسفی کیا۔ دونوں ہماری قرآن اکیڈمی میں کام کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر کو ہم نے شام کا کلینک کھول دیا ہے جس کا نام انجمن کلینک رکھا گیا ہے۔"

"بیٹیوں میں سے کسی نے میڈیکل کیا ہے؟"

"نہیں، بیٹیوں کو میں نے اسکول بھیجا ہی نہیں۔ انہیں گھر ہی پر ایف۔ اے تک تعلیم دلوائی ہے۔ شریعت کی حدود کے عین مطابق علم بھی دیا اور پردہ بھی... پھر شادیاں کر دیں۔"

"عید الفطر کے لئے آپ کا پیغام؟"

"اگرچہ کہ میں ذہنی طور پر اس انٹرویو کے لئے تیار نہ تھا۔ تاہم آپ نے انٹرویو لے ہی لیا ہے تو پھر پیغام بھی لکھ لیجئے۔"

"عید درحقیقت ایک شکریہ ہے، رمضان کے روزوں کا، جو ہم ادا کرتے ہیں اور عید اصل میں اُن ہی لوگوں کے لئے ہے جو رمضان میں روزے رکھیں اور راتوں کو قرآن مجید کی تلاوت سے آباد رکھیں۔ جنہوں نے اس روحانی موسمِ بہار سے صحیح طور پر استفادہ کیا ہو، وہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے جمع ہوتے ہیں لیکن افسوس کہ ہم نے اس کو ایک فیسٹیول بنا لیا ہے۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ عید کا، جو اسلامی تصور ہے، وہ بگڑنے نہ پائے۔ عید کی سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ لوگ جو واقعتہً نفس کی غلامی سے اپنے آپ کو آزاد کرنے کے لئے ایک ماہ کی مشقت کرتے ہیں، اُن کا اللہ تعالیٰ کے سامنے شکرانے کی یہ دو رکعتیں ادا کرنا بھی معنی خیز عمل ہے۔ اسلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے۔ ورنہ تو یہ ہے کہ ہم نے اسے ایک تہوار کی سی صورت دے دی ہے۔"

"گزشتہ دنوں، عید پر سویوں کے بارے میں، آپ کے بیان پر بڑی گرما گرم بحث رہی۔ کیا سویاں کھانا شرعاً غلط ہے؟"

"شرعاً غلط تو میں نے کبھی نہیں کہا۔ میں نے تو یہ کہا ہے کہ بعض چیزیں روایت کے طور پر ہمارے درمیان اس قدر مستحکم ہو گئی ہیں کہ ہم اُن سے ذرا سا بھی اِدھر اُدھر نہیں ہلتے۔ حالانکہ ان کا کوئی ثبوت سنّت میں نہیں ہے... اور بعض چیزیں جن کی تاکید کی گئی ہے، وہ ہمارے ذہنوں سے اُتر گئی ہیں۔ مثلاً عید کی نماز کو جاتے اور آتے ہوئے تکبیر پڑھنا بھول جاتے ہیں اور واپسی کے وقت راستہ تبدیل کر کے آنے کی سنّتِ نبویؐ کا خیال نہیں کرتے... لیکن یہ کہ ہر عید پر کچھ چیزیں لازمی سی اہمیت حاصل کر لیتی ہیں اور یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے۔

جب اصل سنّت ترک کی جائے گی تو اُس کی جگہ کوئی اور رسم لے گی۔ اس اعتبار سے تو سویاں گویا لازم ہو گئی ہیں۔ حالانکہ مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اس عید پر کوئی میٹھی شے صبح کے وقت کھاتے ہیں۔ یعنی یہ سنّت ہے کہ کوئی میٹھی چیز کھا کر آدمی، عید الفطر کی نماز کے لئے جائے۔ عید الضحیٰ میں روزے کی حالت میں جاتے ہیں اور واپس آ کر قربانی کے گوشت سے روزہ کھولتے ہیں۔ یہ عید تو اب عید الفطر کے بجائے سویوں والی عید بن کر رہ گئی ہے۔ اسی طرح سنّت میں عید پر بغلگیر ہونے کا بھی کوئی ثبوت نہیں ملتا... لیکن یہ یوں لازم ہو گیا ہے، جیسے اس کے بغیر عید ادھوری رہ جائے گی۔"

ڈاکٹر اسرار احمد تھکان سی محسوس کر رہے تھے اور ہم بھی جو کچھ حاصل کر چکے تھے، وہ کافی تھا۔ ہم نے اُن کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا... کیونکہ صبح آٹھ بجے، ڈاکٹر صاحب کراچی سے واپس جا رہے تھے۔

★★ اسلامی معاشرے میں ★★

خواتین کا کردار

کے موضوع پر ——— ۲۵ر جنوری ۸۴ء کو

جنگ فورم میں ڈاکٹر اسرار احمد

★ کی گفتگو کا خلاصہ ★

(منقول از روزنامۂ جنگ، جمعہ ایڈیشن ۱۷ تا ۲۴ر فروری ۸۴ء)

ضیاء شاہد : خواتین و حضرات! آج محترم ڈاکٹر اسرار احمد "جنگ فورم" کے مہمان خصوصی ہیں۔ ان سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ "اسلامی معاشرے میں خواتین کے کردار" پر اظہار خیال فرمائیں، اس موضوع کے حوالے سے ملک کے اندر ایک طویل بحث چھڑ چکی ہے۔ بعض لوگ ڈاکٹر صاحب کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں اور بعض اختلاف رائے کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ آج اس محفل میں ایک متنازعہ موضوع پر گفتگو کر کے ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ایسے مسئلے پر خالص علمی انداز میں تحمل سے بحث کریں، میں ڈاکٹر صاحب کا تہِ دل سے مشکور ہوں کہ وہ یہاں تشریف لائے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی میں ان سے گذارش کروں گا کہ وہ آج کے موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ بعد میں حاضرین میں سے اصحاب و خواتین سوال بھی کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد : (اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر قرآن کریم کی ایک آیت مبارکہ تلاوت فرمانے کے بعد)

محترم خواتین اور معزز حضرات! آج کی اس محفل کے موضوع پر ضیاء شاہد صاحب تعارفی کلمات کہہ چکے ہیں، مجھے اس ضمن میں زیادہ وقت لینے کی ضرورت نہیں ہے سب سے پہلے دو باتوں کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں، ایک تو میرے نزدیک یہ اچھا موقع ہے کہ ایک مسئلے پر ہمارے ہاں بڑی گرما گرم بحث

جاری رہی، طویل عرصے تک مختلف ذرائع سے موافق اور مخالف نظریات لوگوں کے سامنے آئے۔ اب کچھ عرصے سے فضا اتنی گرم نہیں ہے۔ لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ اس مسئلے پر اُس فضا میں ٹھنڈے دل سے غور کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ اب شاید حالات زیادہ سازگار ہیں اور اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا میں اس موقع کو بہت ہی غنیمت خیال کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب اسلام کا ذکر کرتے ہیں اور اس کی تعلیمات کا حوالہ دیتے ہیں تو ایک ناگزیر سی صورت یہ ہے کہ اس وقت ہمارے معاشرے میں اسلام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے، خواہی نخواہی ذہن ادھر منتقل ہو جاتا ہے اور سمجھا یہ جاتا ہے کہ ان تمام باتوں کا دفاع کیا جارہا ہے جو ہمارے معاشرے میں مختلف گوشوں سے در آئی ہیں، مثال کے طور پر ہمارے ہاں معاشیات پر جو بحث ہوتی ہے اور سوشلزم یا کمیونزم کی مخالفت کرتے ہوئے کچھ لوگ اسلام کا دفاع کرتے ہیں تو عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ جو نظام اس وقت ہمارے ہاں ہے، شاید اس کے تحفظ کی بات ہو رہی ہے اور سود وغیرہ کو نکال دیا جائے تو ہمارا معاشی نظام اسلامی رنگ اختیار کرلے گا۔ یہی معاملہ معاشرتی مسائل میں بھی ہو رہا ہے۔ ہمارے معاشرے میں اس وقت جو اقدار ہیں جن پر فی الواقع عمل ہو رہا ہے میرا تجزیہ یہ ہے کہ اس میں تین اطراف سے چیزیں شامل ہو گئی ہیں۔ ایک تو اسلام کی تعلیمات کا عنصر ہے۔ اسلام کی طویل تاریخ کا پس منظر بہرحال موجود ہے۔ ہمارے تہذیب و تمدن کی تشکیل میں اسلام نے بھی اپنا حصہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ ایک عنصر تو اس کا ہے۔ دوسرا اس وقت جتنے بھی مسلمان ممالک ہیں ان سب میں قبل از اسلام کی تہذیب و تمدن کی روایات بھی چلی آرہی ہیں مثلاً ہمارے ہاں ہندو تہذیب کے سماجی سطح پر اثرات موجود ہیں انکے معاشرتی اور عائلی سطح پر بھی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اور آج کے مسلمان معاشرے نے چونکہ ان کو قبول کیا ہوا ہے اس لئے سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ بھی اسلام کی تعلیم کا کوئی حصہ ہیں۔ اب تیسرا عنصر مغربی تہذیب کا ہے۔ اس کا تسلط پوری دنیا پر ہو چکا ہے تو کم وبیش تمام مسلمان معاشروں نے اس کے مختلف طبقات نے اس کے کچھ نہ کچھ اثرات قبول کئے ہیں۔ ہمارے ہاں معاشی، سماجی اور معاشرتی سطح پر تین عوامل ہیں اور ان میں سے ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ سمجھنا بہت ضروری ہے اور اسلام کے کھاتے میں ان تمام جزوں کو نہیں ڈال دینا چاہیئے، مثلاً ہمارے معاشرے میں بہت سے ہندوانہ اثرات کا غلبہ ہے جن کا سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔

ان دو باتوں کی نشاندہی کے بعد میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں، موضوع بہت وسیع ہے اس کی بہت سی اطراف و جوانب بھی ہیں۔

بہرحال میں یہاں اہم باتوں کا تذکرہ کروں گا اور اختصار کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کروں گا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمارے ہاں ایک بہت ہی غلط بحث اُٹھ کھڑی ہوئی ہے اور بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید اسلام کی طرف سے بولنے والوں کے نزدیک ہی عورت، مرد کے مقابلے میں کوئی گھٹیا مخلوق

ہے۔ بعض لوگوں نے اسے کمتری کا احساس گردانا اور پھر اس کا دفاع کرنے لگے کہ عورت گھٹیا مخلوق نہیں ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ اس ضمن میں اسلام کا نقطۂ نظر قطعی یہ نہیں کہ عورت مرد کے مقابلے میں کسی بھی درجے میں گھٹیا مخلوق ہے بلکہ اس اعتبار سے کہ دونوں انسان ہیں، ایک نوع کے دو افراد ہیں ایک مرد ہے دوسرا عورت ہے۔ ان کے اندر تخلیقی اعتبار سے کسی کے گھٹیا اور کمتر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا...... میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی بحثا بحثی کی قسم ہے کہ خواہ مخواہ ایسی بحث چھیڑ دی جائے، میں یہاں عرض کرنا چاہوں گا کہ اللہ تعالیٰ نے جو شرف نوعِ انسانی کو بخشا ہے اسے اشرف المخلوقات بنایا ہے ان کی شرطی رو سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ دینی اخلاقی اور رُوحانی اعتبار سے بھی اسلام مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتا۔ نیکی کمانے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، سورۂ احزاب کی آیت نمبر ۳۵ کے مطالب اور معانی پر غور کیجئے جو میں نے گفتگو کے آغاز میں تلاوت کی ہے اس میں آپ دیکھیں گے کس کس قدر تکرار ہے کہ جتنے اوصاف اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ہیں ان سب میں عورتوں اور مردوں کو برابر کا شریک قرار دیا گیا ہے کہ " یقیناً مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور مومن مرد اور مومن عورتیں اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں اور صداقت شعار مرد اور صداقت شعار عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع وخضوع اختیار کرنے والے مرد اور خشوع وخضوع اختیار کرنے والی عورتیں اور صدقہ وخیرات دینے والے مرد اور صدقہ وخیرات دینے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والے مرد اور اپنی عصمت کی حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنے والے مرد اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے مغفرت اور اجرِ عظیم کا اہتمام کیا ہے" یہ وہ چیزیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قدر وقیمت کی حامل ہیں۔ ان اوصاف کے اعتبار سے کوئی فرق مرد اور عورت کے درمیان نہیں۔ بلکہ اسی طرح کی ایک اہم آیت سورۂ آلِ عمران کے آخری رکوع میں بھی ہے کہ وہاں بھی چوٹی کے اعمال جن کا ذکر اوپر ہوا ہے اور پھر ایک دعا کے حوالے سے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں کسی بھی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو خواہ وہ عورت ہو اور یہ سب ایک دوسرے ہی سے ہیں۔ آخر عورت اور مرد کسی ایک باپ کی ہی تو اولاد ہیں، کسی ایک ماں ہی کے بطن سے ہیں۔ **ان کے درمیان کوئی تفاوت نہیں ہے** جن لوگوں نے اتنے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی راہ میں تکلیفیں اٹھائیں، ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا۔ **اللہ تعالیٰ ان کا اجر ضائع کرنے والا نہیں**۔ اسی طرح سورۂ تحریم میں عورتوں کے مذہبی اور دینی تشخص اور ان کی آزاد شخصیت کو ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مثالیں دی ہیں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ عورتیں دینی یا اخلاقی اعتبار سے اپنے شوہروں کے تابع ہیں۔ ان کی اپنی شخصیت ہے۔ ایمان اگر عورت کے دل میں ہے تو یہ اس کی اپنی متاع ہے۔ شوہر اگر اس متاع

سے محروم ہے تو اللہ تعالیٰ کے حضور تہی دست ہوگا اور خاتون اللہ کے ہاں سرخرو ہوگی۔ چنانچہ وہاں مثال دی گئی کہ حضرت نوحؑ اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیویاں اپنے اعمال کی وجہ سے سزا پاگئیں۔ حالانکہ وہ اولوالعزم پیغمبروں کی بیویاں تھیں۔ اس کے برعکس فرعون کی بیوی حضرت آسیہ کا مقام بہت بلند ہے۔ وہ اپنے کردار اور اعمال کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے حضور مکرّم ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ اس اعتبار سے اسلام میں عورت کو مکمل دینی اور مذہبی تشخص حاصل ہے۔ جہاں تک اس کا قانونی تشخص ہے میں اس کی بات نہیں کر رہا۔ اب بحث کو آگے بڑھاتے ہوئے جب ہم یہ کہتے ہیں کہ تہذیب و تمدّن کی گاڑی کے دو پہیے ہیں تو ایک مرد اور دوسرا عورت۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی جسمانی صورت حال کے پیشِ نظر ان کے فرائض میں تخصیص رکھی ہے۔ یہ فرق ان کی جسمانی ساخت میں نظر آتا ہے ان کی نفسیاتی فہم میں نظر آتا ہے۔

میں یہاں یہ عرض کروں گا کہ بیالوجی کے اعتبار سے ہر زندہ عنصر کو دو چیلنج درپیش ہیں ایک تو اپنی ذات کی بقا ہے جس کے لئے اسے خوراک چاہیئے، سر چھپانے کے لئے پناہ گاہ چاہیئے، اسے تحفظ چاہیئے۔ دوسرا چیلنج بقائے نوع کا ہے کہ اس کی نسل برقرار رہے۔ وہ آگے چلے، پھلے پھولے، بقائے نوع کا معاملہ آپ کو غیر ذی حیات میں نظر نہیں آئے گا۔ اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی جو دو جنسیں بنائی ہیں اس کی اصل حکمت کیا ہے؟ حکمت یہ ہے کہ ایک کام کے لئے زیادہ جسمانی طاقت، قوّتِ ارادی اور اعتماد کی دولت مرد کو عطا کی ہے اور دوسرے کام میں زیادہ بڑا حصّہ عورت کے ذمّے لگایا ہے۔ تخلیق کے عمل میں مرد کا حصّہ بہت قلیل ہے، باقی کوئی بوجھ فطرت نے مرد پر نہیں ڈالا۔ حمل کے دنوں میں نو ماہ کی مشقت عورت ہی برداشت کرتی ہے۔ رضاعت کے دور میں عورت ہی دو سال تک بچّے کو دودھ پلاتی ہے۔ مغربی تہذیب کے رجحانات کے زیرِ اثر عورتیں دودھ پلانے سے کتراتی ہیں۔ اب جدید میڈیسن نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورتوں میں سینے کے سرطان کی بڑی وجہ یہی بن جاتی ہے۔ فطرت کے نظام میں آپ رکاوٹ ڈالیں گے تو وہ اپنا بدلہ خود لے لیتی ہے۔ انہی دو جنسوں کا ذکر آیا ہے سورۃ لقمان میں جہاں والدین کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہاں زیادہ حصّہ ماں کا قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس نے بچّے کو پیٹ میں اٹھائے رکھا، پھر اس کو دو سال تک دودھ پلایا، اس عمل میں اس کے جسم کی توانائیاں خرچ ہو جاتی ہیں، اس لحاظ سے پروڈکشن کی ذمّہ داری اصلاً عورت پر ڈالی گئی ہے مرد اس میں محض چند لمحوں کے لئے شریک ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یہ ظلم کا معاملہ ہوگا کہ دوسرے کاموں میں بھی عورت پر بوجھ ڈالا جائے۔ اس بات کو حقوق میں شامل کرنا بہت بڑی غلطی ہے کہ خواتین کو کام کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے، یہ حق کا معاملہ نہیں، ذمّہ داری کا معاملہ ہے، بوجھ کا معاملہ ہے کہ فطرت نے جو تقسیم عورت مرد کے مابین کی ہے اس کے لحاظ سے یہ بات سخت ظالمانہ ہو جائے گی کہ عورت بقائے نسل کے لئے بھی سارا بوجھ اور ساری مشقت برداشت کرے اور کفالت کی ذمّہ داریوں میں بھی شریک ہو۔ استثنائی حالات البتہ ہو سکتے ہیں جب عورت کو کام کرنا پڑ جاتا ہے، ایسے حالات انفرادی طور پر پیش

آسکتے ہیں، اجتماعی طور پر پورے معاشرے یا ملک اور قوم کو پیش آسکتے ہیں اگر اس کی ضرورت محسوس ہو تو پھر عورت کا کام کرنا حرام تو نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ انسان ہونے کے ناطے بھی سب برابر ہیں اور اس لحاظ سے بھی مرد اور عورت کے درمیان کوئی فضیلت کا معاملہ نہیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ اخلاقی، ارتقائی اور دینی اعتبار سے دونوں میں کامل مساوات ہے لیکن جب آپ ایک خاندان کی تشکیل کرتے ہیں تو وہاں خاوند اور بیوی کو مساوی مرتبہ حاصل نہیں کیونکہ کسی بھی ادارے میں دو منتظمین کو برابر کے اختیارات دیدینے سے اس ادارے کی تباہی پر مہر ثبت کر دینے کے مترادف ہے۔ دو سربراہ بنانے سے ادارے کے اندر فساد پیدا ہو جائے گا۔ انتشار برپا ہو جائے گا۔ بہر حال سربراہ ایک ہوگا، دوسرا اس کا ساتھی، اس کا وزیر، اس کا نائب بھی ہو سکتا ہے، اسلام کے عائلی نظام کا یہ بنیادی نکتہ ہے اور اسے آپ سمجھ لیجئے۔ قرآن مجید میں انسانی اجتماعیات کی جو تین سطحیں ہیں یعنی خاندان، معاشرہ اور ریاست تو قرآن نے سب سے پہلی سطح یعنی خاندان کے بارے میں پوری تفصیل کے ساتھ ہدایات دی ہیں اور اتنی ہدایات معاشرتی ڈھانچے یا ریاست کی حیثیت اور اس کے نظام کے بارے میں موجود نہیں۔ قرآن کریم کا منشا یہی معلوم ہوتا ہے کہ اگر خاندان درست خطوط پر استوار ہو گیا تو پورا معاشرہ سدھر گیا اور معاشرے کے سدھارنے سے ریاست کے معاملات بخوبی چلتے رہیں گے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اس ادارے کا ایک سربراہ ہونا لازمی ہے اور قرآن مجید نے مرد کو خاندان کا سربراہ بنایا ہے، یہ کڑوی گولی ہے۔ لیکن قرآن کریم میں اس کے تدریجی احکامات نازل ہوئے اور یوں اسے ماننے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ سورۃ النساء میں واضح حکم ہے کہ مرد عورتوں پر "قوّام" ہیں، نگران ہیں، ذمہ دار ہیں بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حاکم ہیں، لیکن یہ اللہ کا کلام ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے۔

قانونی معاملات میں مرد کو عورت پر ایک درجہ فضیلت کا دیا گیا ہے، مثلاً مرد طلاق دے سکتا ہے عورت طلاق لے سکتی ہے دے نہیں سکتی، میں ایک مثال یہاں دوں گا کہ ایک واقعے میں حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے محض اس بناء پر خلع کی اجازت دیدی کہ عورت نے کہہ دیا تھا کہ مجھے یہ مرد پسند نہیں ظاہر ہے کہ ازدواجی زندگی میں موافقت اور مزاج کی ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی تو زبردستی ایک دوسرے کو باندھے رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ حدیث میں یہاں تک فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حلال چیزوں میں سب سے ناپسندیدہ فعل طلاق کا ہے۔

قرآن کریم میں والدین کے ساتھ بہتر سلوک کو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بعد بیان کیا گیا ہے۔ مثلاً "تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پرستش نہیں کروگے اور والدین

کے ساتھ حسنِ سلوک کرو گے"۔ جہاں تک ادب کا معاملہ ہے ماں کا درجہ باپ کے مقابلے میں تین درجے زیادہ بلند رکھا گیا ہے۔ تعلقات کا یہ توازن صرف اسلام میں نظر آتا ہے، قانونی طور پر تو خاوند کو سربراہ بنایا گیا ہے لیکن اخلاقی اعتبار سے ماں کو بلند مرتبت قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے پاؤں کے نیچے جنت قرار دی گئی۔ اب میں تیسرے نکتے کی طرف آتا ہوں۔ یہ پردے اور ستر کا مسئلہ ہے۔ اسلام نے عورت کی جنسی جاذبیت صرف اس کے شوہر کے لئے مخصوص کی ہے۔ آزادانہ اختلاط کی اجازت نہیں دی گئی۔ مردوں کا دائرہ کار الگ ہے اور عورتوں کا دائرہ کار الگ رکھا گیا ہے۔ مرد کے لئے بھی ستر کا حکم ہے اور گھٹنے سے لے کر ناف کے اوپر کے حصے تک اس کا جسم ڈھکا ہونا چاہئے۔ یہ ہر حال میں ڈھکا رہنا چاہیے، بیٹے کے جسم کا یہ حصہ باپ کی نظر میں نہیں آنا چاہیئے، بھائی کے جسم کا یہ حصہ بھائی کے سامنے ننگا نہیں کرنا چاہیئے، یہ حصہ کھلے گا تو صرف بیوی کے سامنے یا پھر طبیب کے سامنے ——— عورت کے لئے حکم ہے کہ اس کا پورا جسم ستر ہے، سوائے تین حصوں کے۔ ایک چہرے کی ٹکیہ، دوسرے ہاتھ، تیسرے پاؤں، باقی سارا جسم چھپا رہنا چاہیئے، عورت کا لباس اتنا تنگ نہیں ہونا چاہیئے کہ جسم کے سارے "نشیب و فراز" نظر آ رہے ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں، عورت حجاب اور ستر کے احکامات کو ملحوظ رکھ کر اپنے فرد کی فرائض بجا لائے۔ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے اسے کام کرنا پڑے تو اسلام اس پر قدغن نہیں لگاتا۔ وہ گھر کے اندر کام کر سکتی ہے، قومی سطح پر ایسی کاٹیج انڈسٹری کو فروغ دینا چاہیئے۔ جہاں صرف خواتین کام کر سکیں۔ ایسے صنعتی یونٹ لگائے جائیں جو عورتوں کی زیرِ نگرانی چلائے جائیں، میں ایک بات اس ضمن میں اور کہوں گا کہ عورت کی جسمانی ساخت کے اعتبار سے اس کے کام کے اوقات مردوں کے مقابلے میں کم رکھے جائیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورت پر کام کرنے کی پابندی عائد کر دی جائے تو دیہاتی معیشت تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ کیونکہ وہاں تو ہر مرحلے پر عورت اور مرد برابر محنت کرتے ہیں، میں یہ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ دیہات کی عورت اپنے محرموں کے اندر کام کرتی ہے جبکہ شہری عورت ہر جگہ نامحرموں میں گھری رہتی ہے۔ بہر حال اس کے باوجود اگر دیہاتی معاشرے میں اس ضمن میں کوئی خرابی ہے تو اس کی اصلاح ہونی چاہیئے۔ ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی گفتگو ختم کرتا ہوں۔

ضیاء شاہد: شکریہ ڈاکٹر صاحب! اب میں معزز مہمانوں سے گذارش کرتا ہوں کہ ان کے ذہن میں کوئی سوال ہو تو مختصراً آپ سے پوچھ سکتے ہیں۔

پروفیسر محمد سلیم: اسلام کی رو سے عورتوں کی تفریح کا انتظام کیسے کیا جانا چاہیے۔

ڈاکٹر اسرار احمد: پردہ باغ بنائے جا سکتے ہیں۔ پھر مکانوں کی طرز تعمیر ایسی ہونی چاہیئے کہ اندر چھوٹا سا باغ ہو جہاں عورت ٹہل سکے، سستا سکے، لیکن میں اس بات کے حق میں نہیں ہوں کہ ۲۳

مارچ کی پریڈ میں جوان لڑکیاں سینہ تانے مینارِ پاکستان کی پریڈ میں حصہ لیں اور اسے تفریح کا نام دے دیا جائے۔

خالدہ حسین: جب دشمن ملک کی فوج حملہ کرے تو پھر عورت کا ستر و حجاب کیسے باقی رہے گا؟

ڈاکٹر اسرار احمد: ہنگامی حالات کو دلیل بنانا درست نہیں، ایمرجنسی میں احکامات معطل ہو جاتے ہیں۔ اور مجبوری میں حجاب کا نہ رہ جانا کوئی گناہ نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کوئی عورت خدانخواستہ نہر میں ڈوب رہی ہے یا آگ میں پھنسی ہوئی ہے تو اس وقت کوئی آدمی محرم یا نامحرم کی بحث میں نہیں پڑتا اور بچانے کے لئے اقدام کرتا ہے۔

خالدہ حسین: پہلے آپ مردوں نے عورت کو باہر نکالا کہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، جب وہ باہر نکل آئی تو آپ اسے واپس گھر کی چار دیواری میں بند کر دینا چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد: میں نے عورتوں سے کبھی نہیں کہا کہ وہ گھر سے باہر نکل آئیں۔ اس لئے یہ جواب میرے ذمے نہیں۔

پروفیسر بیگم میر: شہادت کے بارے میں مرد اور عورت کے مابین فرق کیوں ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: قرآن مجید میں اس سلسلے میں آیت موجود ہے، اس کا ترجمہ بھی سب کو معلوم ہے اس میں کسی اشتباہ کی گنجائش موجود نہیں۔ اب ہمارا ایمان ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے تو وہ واجب التسلیم ہوگا۔ اس کی حکمت سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ حکم ہونا تو ثابت ہو گیا۔ البتہ حکمت پر غور ہو سکتا ہے۔

مسز وحید: اسلام دینِ فطرت ہے، اس کے احکامات بھی فطرت کے مطابق ہیں لیکن اس مسئلے میں تضاد کیوں ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل کی لڑکیاں زیادہ ذہین ہیں، ہوشیار ہیں، میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ ایک جاہل مرد کے مقابلے میں دو ذہین و فطین عورتوں کو برابر کیوں قرار دیا گیا ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد: محترم خاتون! فطرت کا تقاضا ہر شخص کو معلوم نہیں ہوتا، ویسے بھی فطرت کے تقاضوں پر ہی عمل کرنے لگیں تو انتشار پھیل جائے گا۔ شریعت کے معاملات اس سلسلے میں بالکل واضح ہیں اور ان کی کوئی دوسری توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ قرآن کریم کے حکم پر عمل کرنا ضروری ہے، حکمت سمجھ میں آ جائے تو بہتر ہے ورنہ حکم پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔

نگار زیب: آپ عورت کو چار دیواری میں بند کر دینے کے حق میں ہیں لیکن تاریخ میں مسلم خواتین نے جنگ بھی لڑی اور رضیہ سلطانہ اس کی ایک مثال ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ برقع کے بغیر میدانِ جنگ میں اتری تھیں ......؟

ڈاکٹر اسرار احمد: پہلے آپ یہ فرمائیے کہ کیا آپ کو یقین ہے کہ رضیہ سلطانہ پردے کے بغیر لڑی تھی۔ دوسرے میں کہہ چکا ہوں کہ ایمرجنسی کے معاملات میں احکامات بدل جاتے ہیں۔

مسز وحید: آج آپ کوئی بات متنازعہ بیان نہیں کر رہے، جبکہ ٹی وی پر آپ کی باتیں قابلِ اعتراض

ہوتی تھیں ؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میں نے ٹی وی پر بھی کوئی متنازعہ بات نہیں کی۔

مسز وحید: عام طور پر آپ کی تنقید کا نشانہ عورت ہی بنتی ہے جبکہ آپ مردوں کو مخاطب کر کے ان کے حقوق و فرائض سے ان کو آگاہ کیوں نہیں کرتے تاکہ وہ عورت پر ظلم نہ کریں، فیملی پلاننگ کے سلسلے میں بھی عورت کو ہدفِ تنقید بنایا جارہا ہے۔ مردوں کو ہدف نہیں بنایا جاتا۔

ڈاکٹر اسرار احمد: پہلے مجھے یہ پوچھنا پڑے گا کہ ہدف بنانے کا مطلب کیا ہے؟ بہر حال آپ کی یہ بات صحیح ہے کہ شریعت کے حقوق کی ادائیگی اور بجاآوری کے لئے مردوں کو بھی تلقین کرنی چاہئے۔

فوزیہ احمد: ہمارا معاشرہ کس قدر اسلامی ہے؟ اگر اسلامی نہیں تو آپ عورت کو کس حد تک اس کے بگاڑ کا ذمہ دار گردانتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: معاشرے میں اسلامی اثرات کم ہیں۔ خاص طور پر ہندوانہ اثرات کا غلبہ ہے اور اب جدید مغربی تعلیم نے ہماری سوچ کو متاثر کیا ہے۔ بہر حال معاشرے کی بقاء کی ذمہ داری عورت سے زیادہ مرد کی ہے۔

فوزیہ احمد: عورت کو عضوِ معطل بنا کر گھر میں بٹھا دینے سے آپ پاکستان جیسے ترقی پذیر ملک میں عورت کو نان پراڈکٹو کیوں بناتے ہیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: میں نے تو کہا ہے کہ پروڈکشن کی ذمہ داری عورت پر ڈالی گئی ہے۔

نگار زیب: پردہ عورت پر تو مسلط کیا جارہا ہے۔ آخر مردوں پر بھی تو پردہ کے احکامات آئے ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد: مرد کے لئے بھی حکم ہے کہ وہ نیچی نگاہ کر کے چلے اور صرف ایک نظر عورت پر ڈال سکتا ہے۔

خالدہ حسین: اور ہوتا یہ ہے کہ پہلی نظر اٹھانے کے بعد مرد حضرات آنکھیں نیچی ہی نہیں کرتے۔

ضیاء شاہد: شریعت نے جو حقوق خواتین کو دیئے وہ عملاً انہیں حاصل نہیں ہو سکے۔ مرد کی بالادستی رہی، اب کہیں ایسا تو نہیں کہ دیہات میں عورتوں پر ظلم و ستم کے ردِعمل کے طور پر عورت کی آزادی کی تحریک اٹھ کھڑی ہوئی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد: میں آپ کے تجزیے سے اتفاق نہیں کرتا کہ ظلم و ستم دیہات کی خواتین پر ہوا اور ردِعمل شہروں میں ہے، حقیقت یہ ہے کہ عورتوں کی آزادی کی تحریک مغرب سے درآمد شدہ ہے لیکن میں یہ مانتا ہوں کہ عورت کے حقوق پامال ہوتے ہیں اور اس پر زیادتیاں ہوتی رہی ہیں۔

ضیاء شاہد: اسلام کا حکم ہے کہ مسلمان اپنے امور مشورے سے طے کریں۔ اس میں تو عورت کی تخصیص نہیں کی گئی، کیا آپ اس حق میں ہیں کہ عورتیں مجلس شوریٰ یا پارلیمنٹ کی رکن بن سکیں؟

ڈاکٹر اسرار احمد: مسلمانوں کی مجلس شوریٰ میں کسی عورت کی موجودگی کی مثال نہیں ملتی، البتہ

جب حضرت عثمان رضؓ کی خلافت کی بات ہو رہی تھی تو بعض خواتین سے مشورہ کیا گیا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ امورِ مملکت کو چلانا ایک بھاری ذمّہ داری ہے اور اسے مردوں کو سنبھالنا چاہیئے۔ عورت کو نرم و نازک کام سونپے جائیں۔

خالدہ حسین : آپ نے محترمہ فاطمہ جناح کو صدارتی امیدوار بنانے کی سفارش کی تھی۔

ڈاکٹر اسرار احمد : میں نے اس کی سفارش نہیں کی تھی، میں اس کے حق میں نہیں، جن لوگوں نے مادرِ ملّت کو کھڑا کیا انہوں نے ہنگامی صورتحال کو مدنظر رکھا تھا۔

مسز وحید : کیا ہمارے ملک کے عائلی قوانین عورتوں کے حقوق کی پاسداری کے لئے کافی ہیں؟ یہ قانون تو مردوں نے بنایا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد : یہ قانون کا مسئلہ ہے اور میں نے عائلی قوانین کا اس زاویے سے مطالعہ نہیں کیا، البتہ مجھے یہ اعتراض ہے کہ اس حکومت نے عائلی قوانین کو شریعت کورٹ میں چیلنج کرنے کی اجازت نہیں دی، ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ اس پر بحث ہوتی اور اسے اعلیٰ عدالتوں میں چیلنج کیا جا سکتا تاکہ اس کے سقم دور ہو سکتے اور اسے اسلام کی روح کے مطابق ڈھالا جا سکتا۔ افسوس کا مقام ہے کہ عائلی قوانین کو ایک مقدّس دستاویز بنا کر رکھ دیا گیا ہے اور انہیں سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ میں لے جانے پر پابندی ہے۔

اسد اللہ غالب : ڈاکٹر صاحب! آپ نے خواتین کے کردار پر بڑی وضاحت سے روشنی ڈالی ہے اور آپ کی باتیں خاص طور پر عورتوں کے لئے بڑی خوش کن ہیں۔ کیا آپ یہ توقع کرتے ہیں کہ کبھی پاکستان کے اندر خواتین کو ان کا جائز مقام مل سکے گا اور ہم قرآن و سنّت میں دیئے گئے حقوق اپنی خواتین کو دے سکیں گے۔ خاص طور پر آج ہمارے ملک میں اسلام کے نفاذ کا چرچا بھی بہت ہے؟

ڈاکٹر اسرار احمد : اصل میں یہ سوال بہت مشکل ہے، اس لئے کہ اس کے ڈانڈے اس سے مل جاتے ہیں کہ آیا واقعتاً ہم قومی سطح پر اسلام کی منزل تک پہنچ پائیں گے، میں تو جو بات یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم اس منزل تک نہ پہنچے تو ہم نہ رہیں گے، اس لئے کہ ہمارے لئے کوئی اور بنیاد نہیں ہے۔ جو ہمیں سہارا دے سکے سوائے اسلام کے۔ باقی یہ کہ کامیابی یا ناکامی کے امکانات کا جائزہ لینا میرا مزاج نہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جس چیز کو انسان حق سمجھے اس کے لئے کوشش کرتا رہے۔ نتائج کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ جہاں تک امکان کی بات ہے تو میں رُول آؤٹ نہیں کرتا۔ کیونکہ اسلام انسانوں کے لئے ہے اور اس دنیا اور آخرت کی فلاح کے لئے جامع پروگرام ہے تو ہم کیوں اسے اختیار نہیں کر سکتے۔ میرے نزدیک اس کا امکان موجود ہے لیکن کب ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ضیاء شاہد : میں آخر میں ڈاکٹر اسرار احمد کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور تمام خواتین و حضرات کا بھی شکر گزار ہوں جو یہاں تشریف لائے اور بحث میں حصّہ لیا۔

حرفِ آخر

الحمد للہ وکفیٰ والصلوٰۃ والسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ افضلھم

خاتم النبیین سید المرسلین محمد الامین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ اجمعین

محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب میں روزنامہ جنگ جمعہ ایڈیشن بابت ۱۲ تا ۱۸ ر مارچ ۸۲ء میں شائع شدہ جس انٹرویو کا ذکر ہے۔ جس میں خواتین سے متعلق چند ضمنی سوالات و جوابات بھی شامل ہیں جن کے ردِ عمل کے طور پر ڈاکٹر صاحب کے خلاف تقریباً تمام ہی انگریزی اردو روزناموں میں مضامین، مراسلات، بیانات کا ایک طوفان اٹھا حتیٰ کہ گورنر سندھ کی بیگم صاحبہ کی زیرِ قیادت کراچی ٹیلیویژن پر خواتین نے "الھدیٰ" (ڈاکٹر صاحب کا ہفتہ وار درس قرآن) کو بند کرنے کے مطالبہ کے لئے مظاہرہ بھی کیا۔ وہ انٹرویو "جنگ" کے تقریباً بارہ کالموں پر محیط تھا۔ اس پورے انٹرویو میں خواتین سے متعلق سوالات و جوابات کا حصہ بمشکل نصف کالم بنتا ہے۔ جو بے تکلفانہ انداز کا حامل ہے۔ یہ حصہ ذیل میں بے کم و کاست درج کیا جا رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ان شاء اللہ العزیز ڈاکٹر صاحب موصوف کے خطاب کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

س : کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ مختلف موضوعات پر میں پوچھتا جاؤں! اوّل یہ کہ عورت کے دائرہ کار کے بارے میں آپ کی رائے ہے؟

ج : اسے تو میں فوراً متعین کر دوں گا کہ وہ گھر کے اندر رہے اور جتنی ورکنگ خواتین ہیں ان کو فوراً پنشن پر بھیج دیا جائے۔

س : اس کا فائدہ تو ان کو ہوگا جو ملازمت میں ہیں، پنشن ان کو آپ نے دے دی لیکن جو ملازم نہیں ہیں جو آئندہ ملازمت میں نہ آ سکیں گی ان کو پنشن نہیں ملے گی؟

ج : ہاں جو اسوقت سروس میں ہیں ان کی کوئی صورت کر کے ان کے خرچ کی جو بھی ضروریات ہیں......

س : آئندہ خواتین کی سروس کے بارے میں کسی شعبے میں؟

ج : آئندہ خواتین ملازمت میں نہیں آئیں گی۔ ہاں میڈیکل کے بارے میں کچھ ہو سکتا ہے

س : اسکولوں اور کالجوں کی تدریس کے لئے؟

ج : ان کا علیحدہ نظام ہو لیکن یہ کہ ہمارے دفاتر میں ہمارے سٹوڈیو میں پی آئی اے میں ہوسٹس قطعاً نہیں، خواتین کا اپنا انتظام ہو اور وہاں یہ پڑھائیں۔

س : حجاب رو کے بارے میں؟

ج : ہاں میں اس کا شدت سے قائل ہوں۔

س : چہرہ اور ہاتھ مستثنیٰ ہونے کی جو رائے ہے آپ اس کو......

ج : نہیں...... میں اس کا قائل نہیں۔

س : تفریحات کے ضمن میں آپ کیا سمجھتے ہیں۔ مثلاً ٹیلیویژن ہے، اس میں کس نوعیت کی تبدیلی یا اصلاح آپ تجویز کریں گے! آپ نے یہ بھی پچھلے دنوں کہا تھا کہ خواتین نہیں بیٹھ سکتیں تو موقف تو آپ کا!

ج : خواتین اناؤنسرز ...... میں اس کو گوارا نہیں کروں گا۔

س : مرد اناؤنسرز کو خواتین دیکھیں گی؟

ج : اس حد تک مرد کا عورت کو دیکھنا اور عورت کا مرد کو دیکھنے میں فرق ہے۔

س : مرد پروگرام پیش کرے اور گھروں میں بیٹھی خواتین دیکھیں۔ آپ کوئی حرج نہیں سمجھتے اور یہ جو ڈرامہ ہے اس میں کچھ پہلو رومانس کے بھی ہوتے ہیں؟

ج : میں قائل نہیں ہوں۔ ڈرامہ نہیں ہونا چاہیئے۔

اس انٹرویو میں ملک کے سیاسی، معاشی، معاشرتی معاملات، سیاسی جماعتوں کے روز افزوں اختلاف اور ان کے اسباب اور نقصانات، دعوت و تبلیغ کی اہمیت اور اس کی کمی کے مسائل، اسلامی نظام کی پیش رفت میں رکاوٹ اور سست روی کے اسباب اور ایسے ہی بہت سے موضوعات پر مفصل سوالات و جوابات ہوئے ہیں۔ لیکن جنگ کے اس میگزین پر جو سرخی نمایاں کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ "ٹیلیویژن پر ڈرامے نہیں ہونے چاہئیں۔" ڈاکٹر اسرار احمد سے انٹرویو"

یہ بات حاشا و کلا ہم نے معذرت خواہانہ طور پر نہیں کہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے جوابات میں بہت ہی اختصار کے ساتھ اسلام میں خواتین کے حقیقی مقام اور اس کے دائرہ کار کے متعلق محض اشارات کے انداز میں اپنا نقطۂ نظر پیش کیا ہے۔

انگریز کے سیاسی استیلاء کے دور سے ہمارے معاشرے میں بے حجابی کا جو طوفان اٹھنا شروع ہوا تھا جو اس وقت اپنے شباب پر ہے اس فتنہ کے متعلق الصادق والمصدوق صلی اللہ علیہ وسلم چودہ سو سال قبل امت کو متنبہ فرما گئے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔

عن اسامۃ بن زید رضی اللہ عنھما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ماترکت بعدی فتنۃ اضر علی الرجال من النساء۔	اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے بعد مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں سے بڑھ کر کوئی نہیں چھوڑا۔

کاش ہمارے ملک کے نام نہاد دانشور حضرات و خواتین نبی اکرم کے اس ارشاد مبارک سے سبق لیں نیز محترم ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاب میں قرآن و حدیث کے حوالے سے حجاب و ستر کے جو احکام اور حدود پیش کئے ہیں ان کا معروضی طور پر مطالعہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے توقع ہے کہ حق ان کے سامنے مبرہن ہو کر آجائے گا۔ (احقر، جمیل الرحمٰن عفی عنہ)

63

مرکزی **انجمن خدّام القرآن** لاہور

کے قیام کا مقصد

منبعِ ایمان — اور — **سرچشمۂ یقین**

قرآنِ حکیم

کے **علم و حکمت** کی

وسیع پیمانے — اور — اعلیٰ علمی سطح

پر **تشہیر و اشاعت ہے**

تاکہ اُمّتِ مسلمہ کے فہیم عناصر میں **تجدیدِ ایمان** کی ایک عمومی تحریک برپا ہو جائے

اور اس طرح

اسلام کی نشاۃِ ثانیہ — اور — غلبۂ دینِ حق کے دورِ ثانی

کی راہ ہموار ہو سکے

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ